نومبر 2004ء رجب ١٤٢٥ھ

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحسَنَ الحَدِيثِ

ماھنامہ الحدیث حضرو

مدیر
حافظ زبیر علی زئی

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

4

- فضائل اعمال میں ضعیف احادیث کا حکم
- الامام عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر وناظر ہونا
- علمائے حق سے محبت

مكتبة الحديث

حضرو، اٹک : پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احسن الحدیث

حافظ ندیم ظہیر

اھل جنت اور ان کے لیے انعامات

﴿وبشر الذین اٰمنو ا وعملوا الصٰلحٰت ان لهم جنٰتٍ تجری من تحتها الانهٰر کلما رزقوا منها من ثمرةٍ رزقاً قالو هٰذا الذی رزقنا من قبل واتو به متشابهاً ولهم فیها ازواج مطهرة وهم فیها خٰلدون﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے۔ انہیں (جنت کے) باغات کی خوش خبری دے دیجئے۔ جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جب انہیں (اھل جنت کو) اس میں سے کھانے کے لیے کوئی پھل دیا جائیگا (تو وہ) کہیں گے: یہ (پھل) وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے (دنیا میں) دیا گیا تھا۔ انھیں (دنیا کے پھلوں سے) ملتے جلتے (پھل) دیئے جا ئیں گے۔ اور وہاں (جنت میں) ان کے پاک وصاف جوڑے ہوں گے اور وہ اس (جنت) میں ہمیشہ رہیں گے۔
(البقرۃ:۲۵)

فقہ القرآن :

۱: ایمان اور نیک اعمال دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اقرار باللساں، تصدیق بالقلب اور عمل بالجوارح ایمان کی حقیقت ہے۔

۲: جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور دوسری آیات واحادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ جہنمی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، لہذا جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جنت اور جہنم بھی آخر فنا ہو جائیں گی، غلط اور باطل عقیدہ ہے۔

۳: دوسری آیات سے واضح ہے کہ یہ نہریں پانی، دودھ، شہد اور (پاک) شراب کی نہریں ہیں۔

۴: ''یہ پھل ہمیں پہلے دیا گیا تھا'' کی تشریح میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
:'' أي في الدنيا '' یعنی دنیا میں (تفسیر طبری: ۱/۱۳۳ وسندہ حسن)

یہ پھل رنگت میں دنیا کے پھلوں جیسے لیکن مزے اور لذت میں انتہائی بے مثال ونرالے ہوں گے۔

مفسر قرآن قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:''یشبه ثمر الدنیا ، غیر أن ثمر الجنة أطیب '' دنیا کہ پھلوں سے مشابہ ہیں لیکن جنت کے پھل (دنیا کے پھلوں سے) کہیں زیادہ پاک وصاف (ومزیدار) ہیں (تفسیر عبدالرزاق :۲۲ وسندہ صحیح)

۵: ازواج مطہرہ سے مراد یہ ہے کہ پیشاب، پاخانہ، گندگی اور ہر قسم کی برائی سے اللہ تعالی نے انھیں پاک رکھا ہے دیکھئے (تفسیر عبدالرزاق: ۲۵ وسندہ صحیح)

حافظ زبیر علی زئی

فقه الحديث

() وعن أبي هريرة ، قال :قال رسول الله ﷺ :'' الإيمان بضع وسبعون شعبة ، فأ فضلها: قول لا إله إلا الله ، وأدناها: إماطة الأ ذى عن الطريق ، والحيا ء شعبة من الايمان ''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان کے ستر سے اوپر درجے ہیں ان میں سب سے افضل: لا الہ الا اللہ ہے۔ان درجوں میں سب سے کمتر درجہ: راستے سے (معمولی) تکلیف والی چیز ہٹانا ہے۔اور حیاء ایمان کے درجوں میں سے ایک درجہ ہے۔ متفق علیہ (البخاری:۹، مسلم:۵۸/ ۳۵ واللفظ لہ)

فقه الحديث :

۱: عربی لغت میں '' بضع ''کالفظ: تین سے لے کر نو تک کے عدد پر بولا جاتا ہے۔(القاموس الوحید۱/ ۱۶۹)

۲: بعض روایات میں ساٹھ سے اوپر درجوں کا ذکر آیا ہے (البخاری:۹) ایک روایت میں چونسٹھ (الترمذی:۲۶۱۴ب، وأحمد۲/ ۳۷۹ح ۸۹۱۳ وسندہ صحیح، والقول بشذوذه قول شاذ)اور دوسری روایت میں بہتر کا عدد آیا ہے: (صحیح ابن حبان، الاحسان۱/ ۲۰۲ح۱۸۱ او قال بخبر غريب ، دوسرا نسخہ۱/ ۴۰۷ح ۱۸۱ او قال شعيب الأرناووط: إسناده صحيح على شرطهما)

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہاں تحدید (حد بندی) مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے،اور بعض علماء کہتے ہیں کہ: یہ سب الفاظ رسول اللہ ﷺ نے فرمائے ہیں جو کہ راویوں نے یاد رکھے ہیں، یہاں تین باتیں مدنظر ہیں:

اول: یہ درجات مختلف لوگوں کے احوال سے ہیں مثلاً انبیاء، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، شہداء، صدیقین وصالحین کے ستر سے اوپر درجے ہیں،اسی طرح علماء اور عوام کے درجات میں بھی فرق ہے۔

دوم: بعض علماء کے نزدیک ایمان کے ان درجات میں سے بعض درجوں کی آگے ایک دو شاخیں ہیں،اس لحاظ سے جب ساٹھ سے زیادہ کا عدد بولا جائے گا تو اصل درجات مراد ہوں گے اور اگر ستر سے اوپر کا عدد بولا جائے گا تو بعض درجات کی شاخیں بھی شامل ہوں گی۔

سوم: بعض کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ساٹھ سے اوپر درجات اور احادیثِ مطہرہ میں ستر سے اوپر درجات کا ذکر موجود ہے،لہذا جب ساٹھ کا لفظ بولا جائے گا تو کتاب اللہ کے درجے مراد ہوں گے اور ستر کے لفظ سے کتاب وسنت، دونوں کے درجات مراد ہوں گے، واللہ اعلم

۳: عینی حنفی نے ایمان کے ستتر درجات کے نام، شرح صحیح بخاری میں لکھ کر جمع کر دیے ہیں (عمدۃ القاری: ۱۲۸/۱، ۱۲۹ ح ۹)

۴: ایمان کے ان درجات کے نام بالتفصیل معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ یہی کافی ہے کہ آدمی قرآن وحدیث واجماع پر ایمان لے آئے۔ ایک مسلمان جب راستے سے ہڈی اٹھا کر راستہ صاف کر رہا ہوتا ہے تو یہ ایمان کا ایک درجہ ہے اگر چہ اسے یہ علم بھی نہ ہو اور وہ اسے نیکی کا ایک معمولی کام ہی سمجھتا ہو۔

۵: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ، ایمان، دل اور زبان کے اقرار کے ساتھ اعمال کا نام ہے۔ اسی پر تمام اہل حق کا اجماع ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''**وتعتقد أن الإيمان قول باللسان ومعرفة با لجنان وعمل بالأركان ،يزيد بالطاعة وينقص بالعصيان** ''

اور یہ عقیدہ رکھو کہ: ایمان نام ہے: (۱) زبان کے ساتھ اقرار (۲) دل کے ساتھ یقین (۳) ارکان کے ساتھ عمل (۴) اطاعت سے زیادہ ہوتا ہے (۵) اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین: ۱۰۹/۱)

تقریباً یہی کلام ومفہوم شرح السنۃ للبغوی (۳۹/۱ ح ۱۹) وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔ قاضی عبدالرحمٰن دیوبندی صاحب فرماتے ہیں کہ: ''اور میری آخری تحقیق یہ ہے کہ حنفیہ بھی اعمال کو ایمان کا جزء مانتے ہیں''

(فضل الباری شرح اردو: صحیح بخاری: ۳۱۷/۱، از افادات شبیر احمد عثمانی)

۶: ایمان کے مختلف درجے ہیں لہذا یہ زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔ عمیر بن حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم (بھی) ہوتا ہے (کتاب الإیمان لابن ابی شیبہ: ۱۴ وسندہ صحیح، الحدیث: ۲۳/۲ توضیح الأحکام)

امام مالک، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابن جریج اور معمر کہتے تھے کہ: ایمان قول وعمل (کا نام) ہے، زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔ (کتاب الشریعۃ للآجری ص ۱۱۹ ح ۲۴۳ وسندہ صحیح) یہی عقیدہ درج ذیل علماء سے بھی ثابت ہے:

احمد بن حنبل، اوزاعی، وکیع وغیرہم (الشریعۃ ص ۱۱۹، ۱۲۰ بأسانید صحیحہ) اور اس پر اہل حق: اہل سنت کا اجماع ہے۔

۷: حیاء کا ذکر یہاں بطور خاص اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ ایمان کا ایک اہم ترین درجہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **الحياء لا يأتي إلا بخير** ، حیا نیکی کے علاوہ کچھ بھی نہیں لاتا۔ (البخاری: ۶۱۱۷ ومسلم: ۳۷)

ایک روایت میں ہے: **الحياء خير كله**، ساری خیر (نیکی) حیاء ہے (مسلم: ۶۱/۳۷ وترقیم دارالسلام: ۱۵۷)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: **إذا لم تستح فاصنع ماشئت**، اگر تیرے اندر حیاء نہیں تو جو مرضی ہے کر۔ (البخاری: ۶۱۲۰) یعنی آخر میں تجھے عذاب ہوگا۔

۸: اس روایت میں محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر نہیں، مگر ثبوتِ شئی کے بعد اس کا عدم ذکر، نفی کی دلیل نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ لا الہ الا اللہ کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) پر ایمان لایا جائے، آپ ﷺ کی بعثت کے بعد، آپ پر ایمان کے بغیر لا الہ الا اللہ مکمل ہی نہیں ہوتا۔

کلمۃ الحدیث

اظہار خوشی مگر کیسے؟

حافظ ندیم ظہیر

غم وخوشی، رونا وہنسنا، مشکلات وراحت اور مختلف نشیب وفراز، زندگی کا حصہ ہیں، لیکن انسان فطرتی طور پر خوشی حاصل کرنے میں جلد باز واقع ہوا ہے اور یہی عجلت پسندی اسے دنیا ومافیہا سے بے پروا کر دیتی ہے حالانکہ ''دین اسلام'' مکمل ضابطہ حیات ہے یہ دین جہاں حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی کا پابند بناتا ہے وہاں اظہار خوشی میں بھی **ادخلوا في السلم كآفة** کا درس دیتا ہے۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب (بھی) مسرور کن معاملہ پیش آتا یا آپ (ﷺ) کو، کوئی خوش خبری دی جاتی تو فوراً اللہ تعالیٰ کا بجالاتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے۔

(ابوداود: ۲۷۷۴، ابن ماجہ: ۱۳۹۴، ترمذی: ۱۵۷۸ وقال: ''حسن غریب'')

حقیقی مومن خوش کن حالات میں ایمان کا سودا کرتا ہے نہ غم کے موقع پر ہی ڈگمگاہٹ (کمزوری) کا شکار ہوتا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''مومن آدمی کا بھی عجیب حال ہے کہ اس کے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے اور یہ بات کسی کو حاصل نہیں سوائے اس مومن آدمی کے کہ اگر اسے کوئی خوشی پہنچی اور شکر ادا کیا تو بھی ثواب ہے اگر نقصان پہنچا اور صبر کیا تو بھی ثواب ہے۔'' (صحیح مسلم: ۲۹۹۹)

یہی طرز عمل ہمارے اسلاف کا تھا۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی قبولیتِ توبہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے خوشخبری کا ذکر کرتے ہیں کہ: ''میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی، جبل سلع پر چڑھ کر کوئی بلند آواز سے کہہ رہا تھا اے کعب بن مالک! تمہیں بشارت ہو یہ سنتے ہی میں سجدے میں گر پڑا'' (بخاری: ۴۴۱۸)

امام نووی فرماتے ہیں: یہ حدیث دلیل ہے کہ ہر نعمت کے حصول یا کسی مشکل سے چھٹکارے کے بعد سجدۂ شکر مستحب ہے۔
(صحیح مسلم مع شرح نووی ۹۰/۱۷)

قارئین کرام: خوشی آزادی وشادی کی ہو یا میلاد النبی ﷺ کی مروجہ طریقہ کے مطابق اس کا جشن منانا قرآن وحدیث اور اسلامی شعار کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وما علينا إلا البلاغ

ترغیب وترہیب اور فضائلِ اعمال میں ضعیف احادیث کا حکم

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ　　　　ترجمہ: حافظ عبدالحمید ازھر

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول (۱) ہے کہ حرام وحلال کا معاملہ ہوتو ہم سندوں میں سختی سے کام لیتے ہیں اور جب ترغیب وترہیب کی بات ہوتو ہم اسانید میں تساہل برتتے ہیں۔اسی طرح علماء کا جو طریق کار رہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کر لیتے ہیں۔تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے ایسی حدیث جو حجت اور دلیل نہیں بن سکتی اس سے استحباب ثابت ہوسکتا ہے اس لئے کہ استحباب شرعی حکم ہے لہذا شرعی دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا۔اور جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں شرعی دلیل کے بغیر یہ خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اعمال میں سے کسی خاص عمل کو پسند کرتا ہے تو وہ اللہ کے حکم کے بغیر دین میں شریعت سازی کر رہا ہے۔اور یہ ایسے ہی ہے کہ کسی چیز کے وجوب یا حرمت کا فیصلہ دیا جائے۔یہی وجہ ہے کہ علماء جس طرح باقی احکام میں باہم اختلاف کرتے ہیں استحباب کے متعلق بھی ان کی آراء مختلف ہوتی ہیں، بلکہ حقیقی اور منزل من اللہ دین کی بنیاد ہی یہ اصول ہے۔

ان حضرات کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب کسی عمل کے متعلق نص شرعی یا اجماع سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل ہے۔مثلاً تلاوت قرآن، ذکر وتسبیح، دعاء وصدقہ، غلاموں کی آزادی اور لوگوں سے حسن سلوک وغیرہ یا ثابت ہو جائے کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے مثلاً جھوٹ خیانت وغیرہ، تو اس صورت میں ان ثابت شدہ اعمال کی فضیلت اور ان کے ثواب یا برے اعمال کی کراہت اور ان کے گناہ کے بارے میں

---

(۱) الکفایۃ للخطیب ص ۱۳۴، اس قول کی سند ابو العباس أحمد بن محمد السجزی اور أبو عبداللہ النوفلی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے، دیکھئے لسان المیزان (۲۵۳/۱، ۲۵۴ و ۱۶۷/۱) الکفایۃ میں اس کا ایک ضعیف شاہد بھی ہے۔خلاصہ یہ کہ امام احمد بن حنبل سے یہ قول ان الفاظ کے ساتھ ثابت ہی نہیں ہے کہ وہ فضائل اعمال میں تساہل کے قائل تھے، امام بیہقی نے امام احمد سے نقل کیا کہ: محمد بن اسحاق سے یہ احادیث لکھنی چاہئیں، گویا انہوں نے مغازی وغیرہ کی طرف اشارہ کیا، اگر حلال وحرام کا مسئلہ ہو تو ہم یہ چاہتے ہیں، عباس الدوری نے مٹھی بند کر کے بتایا (کہ ہم مضبوط احادیث چاہتے ہیں) (دلائل النبوہ: ۳۷/۱، ۳۸ وسندہ صحیح)

تنبیہ: محمد بن اسحاق کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ احکام میں بھی حسن الحدیث ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن مهدی فضائل میں تساھل فی الاسانید کے قائل تھے (المدخل الی کتاب الاکلیل للحاکم ص ۲۹ ودلائل النبوۃ: ۳۴/۱ وسندہ صحیح)

کوئی حدیث مروی ہو، تو اجر وثواب اور سزا وعذاب کی مقدار اور انواع کے متعلق ایسی حدیث مروی ہو جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ وہ موضوع ہے تو اس صورت میں اس کو روایت کرنا جائز ہوگا ، بایں معنی کہ انسان اس ثواب کی امید یا اس سزا کا خوف رکھے۔

مثال کے طور پر ایک شخص جانتا ہے کہ تجارت میں فائدہ ہے، لیکن اسے بات پہنچی کہ اس میں بہت زیادہ فائدہ ہے اگر اسے پہنچنے والی بات درست ہوئی تو اسے فائدہ پہنچے گا، اور اگر جھوٹ بھی ہوئی تو اسے نقصان نہیں ہوگا، یعنی اس قدر فائدہ نہیں ہوگا جتنا کہ اسے بتایا گیا تھا۔ اسے یونہی سمجھیں کہ جس طرح ترغیب وترہیب میں اسرائیلی مروایات خوابین، سلف کے مقولے علماء کے اقوال وواقعات وغیرہ بیان کئے جائے ہیں۔ معلوم ہے کہ صرف ان امور سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا نہ استحباب اور نہ کچھ اور، لیکن ترغیب وترہیب، امید دلانے اور خوف دلانے کے لئے انہیں بیان کیا جا سکتا ہے۔

جن اعمال کا اچھا یا برا ہونا شرعی دلائل سے ثابت اور معلوم ہو تو یہ اضافی چیزیں فائدہ دیتی ہیں ضرر نہیں اور وہ حق ہوں یا باطل اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ تو جس کے متعلق معلوم ہو جائے کہ یہ باطل اور موضوع ہے تو اس کی طرف التفات جائز نہیں۔ اس لئے کہ جھوٹ سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اگر ثابت ہو جائے کہ وہ صحیح ہے تو اس سے احکام ثابت ہوں گے، اگر دونوں باتوں کا احتمال رکھے تو اسے روایت کرنا روا ہوگا کہ اس کے سچ ہونے کا امکان ہے اور جھوٹ ہو تو اس کا کوئی نقصان نہیں، امام احمد رحمہ اللہ نے یہی کہا ہے کہ ترغیب وترہیب کا معاملہ ہو تو ہم اسانید میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ہم اسے اسانید کے ساتھ روایت کر دیتے ہیں اگر چہ ان کے راوی اس قدر قابل اعتماد نہ ہوں جن سے حجت اور دلیل پکڑی جاتی ہے، اسی طرح جس نے کہا کہ فضائل اعمال میں ان پر عمل ہو سکتا ہے تو عمل تو اسی پر ہوگا جو ثابت شدہ نیک اعمال ہیں مثلاً تلاوت اور ذکر یا برے اعمال سے اجتناب۔

نبی ﷺ کے فرامین میں سے وہ حدیث اس کی نظیر ہے جسے امام بخاری نے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ:

''بلغوا عني ولو آية وحدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج ومن كذب علي متعمداً فليتبوأ معقده من النار'' (۱)

میری طرف سے آگے پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی ہو، بنی اسرائیل سے نقل کر سکتے ہو کوئی مضائقہ نہیں اور جس نے مجھ پر

---

(۱) البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ماذکر عن بنی إسرائیل ح ۳۴۶۱

(۲) احمد ۴/۱۳۶ ح ۱۷۳۵۷ وابوداؤد: ۳۶۴۴ وابن حبان: الموارد: ۱۱۰ اس کی سند نملة بن ابی نملہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبو هم** (۴۴۸۵، ۷۳۶۲، ۷۵۴۲)

جان بوجھ کر جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سنبھال لے۔
اسے صحیح حدیث میں مذکور نبی ﷺ کے اس فرمان کے ساتھ رکھو:
'' **إذا حدثكم أهل الكتاب فلا تصدقوهم و لا تكذبوهم** (٢)''
اہل کتاب تم سے کوئی بات بیان کریں تو ان کی تصدیق نہ کرو اور نہ انہیں جھوٹا کہو۔

اس طرح آپ ﷺ نے اہل کتاب سے بات نقل کرنے کی رخصت بھی دی اور ساتھ ہی ساتھ اس کی تصدیق کرنے یا انہیں جھٹلانے سے بھی ممانعت کردی۔ اگر ان سے بات نقل کرنے میں مطلقاً فائدہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کی رخصت دیتے ہوتے اس کا حکم نہ دیتے، اور اگر صرف ان کے بیان کردینے سے ہی ان کی تصدیق جائز ہوتی تو آپ ﷺ ان کی تصدیق سے منع نہ فرماتے۔ غرضیکہ جن باتوں پر سچائی کا گمان ہو ان سے انسانی طبائع بعض حالات و مقامات میں مستفید ہوتی ہیں۔

چنانچہ جب ضعیف احادیث کسی مقدار اور تحدید پر مشتمل ہوں مثلاً کسی خاص وقت میں خاص قراءت اور خاص طریقہ سے نماز کے متعلق بتایا جائے تو ضعیف (١) حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر عمل روا نہ ہوگا۔ اس لئے خاص طریقہ کا مستحب ہونا دلیل شرعی سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ترغیب وترہیب میں اس قسم کی روایات بیان کی جاتی سکتی ہیں، اور حصول مقصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہیں، تاہم ثواب اور عذاب کی مقدار کے تعین کا اعتقاد دلیل شرعی پر ہی موقوف ہوگا۔

(فتاوی شیخ الاسلام: ١٨/٦٥۔٦٨)

....

(١) ضعیف حدیث کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ نہ فضائل میں معتبر ہے اور نہ عقائد واحکام میں،
جمال الدین قاسمی نے ضعیف حدیث کے بارے میں پہلا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ '' **لايعمل به مطلقاً لا في الأحكام ولافي الفضائل ، حكاه ابن سيد الناس في عيون الأثر عن يحيى بن معين و نسبه في فتح المغيث لأبي بكر بن العربي والظاهر أن مذهب البخارى و مسلم ذلك أيضاً ، يدل عليه شرط البخاري في صحيحه و تشنيع الإمام مسلم على رواة الضعيف كما أسلفناه وعدم اخراجهما في صحيهما شيئاً منه**''
احکام ہوں یا فضائل، اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، اسے ابن سید الناس نے عیون الاثر میں ابن معین سے نقل کیا ہے، اور فتح المغیث میں (سخاوی) نے ابوبکر بن العربی سے منسوب کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ امام بخاری ومسلم کا یہی مسلک ہے۔ صحیح بخاری کی شرط اس پر دلالت کرتی ہے۔ امام مسلم نے ضعیف حدیث کے راویوں پر سخت تنقید کی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے لکھ دیا ہے۔ دونوں اماموں نے اپنی کتابوں میں ضعیف روایات میں سے ایک روایت بھی فضائل ومناقب میں نقل نہیں کی (قواعد التحدیث ص١١٣)
عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مرسل روایات کو سننے کے ہی قائل نہ تھے۔ (دیکھئے مقدمہ صحیح مسلم ح:٢١ والنکت علی کتاب ابن الصلاح ٢/٥٥٣)
معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ضعیف حدیث کو فضائل بھی حجت تسلیم نہیں کرتے تھے۔

توضیح الاحکام

سوال: اذان دیتے وقت قبلہ رُخ ہونے کے بارے میں کوئی صحیح یا ضعیف روایت موجود ہے؟ (نصیر احمد کاشف)

جواب: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے آ کر نبی ﷺ کو بتایا کہ میں نے نینداور بیداری کی درمیانی حالت میں دیکھا: ایک آدمی کھڑا تھا، جس نے دو سبز کپڑے پہن رکھے تھے، اس نے قبلہ رخ کھڑا تھا ہو کر اذان دی۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱/۳۹۱ وقال: مرسل)

یہ سند ضعیف ہے، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

یہ روایت دوسری سند کے ساتھ سنن ابی داود (ح ۵۰۶) میں ہے۔ اس میں '' أصحابنا '' مجہول ہیں۔ یہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن معاذ کی سند سے بھی مختصراً موجود ہے، سنن ابی داود میں قبلہ رخ ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے، سنن ابی داود والی سند بھی ضعیف ہے۔

اس کے بارے میں ایک دوسری روایت کی طرف امام ابن المنذر نے اشارہ کیا ہے۔

یہ روایت سعد القرظ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

'' **وإن بلالاً كان إذا كبر بالأذان استقبل القبلة** ''

بے شک بلال (رضی اللہ عنہ) اذان کی تکبیر کہتے وقت قبل کی طرف رخ کرتے تھے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۶/ ۳۹ ح ۵۴۴۸)

اس روایت کی سند ضعیف ہے اس میں عبدالرحمٰن بن عمار بن سعد المؤذن: ضعیف ہے اور عمار بن سعد مجہول الحال ہے۔

ان دونوں روایتوں کے ضعیف ہونے کی طرف ابن المنذر نے اشارہ کر دیا ہے۔

امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

'' **أجمع أهل العلم على أن من السنة أن تستقبل القبلة بالأذان** ''

اس پر علماء کا اجماع ہے کہ اذان میں قبلہ رخ ہونا سنت ہے۔ (الاوسط: ۳/ ۲۸)

نیز فرماتے ہیں کہ: '' **وأجمعوا على أن من السنة أن تستقبل القبلة بالأذان** ''

اور اس پر اجماع ہے کہ اذان دیتے وقت قبلہ رخ ہونا چاہئے۔
(الاجماع:ص ۷، فقرہ:۳۹) نیز دیکھئے موسوعۃ الاجماع فی الفقہ الاسلامی (۹۳/۱)
عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ: کیا قبلہ رخ ہو کر اذان دینی چاہئے؟ تو انہوں نے فرمایا: جی ہاں
(مصنف عبدالرزاق: ۴۶۵/۱ ح ۱۸۰۲ وسندہ صحیح)
محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: " **إذا أذن المؤذن استقبل القبلة** "
جب مؤذن اذان دے تو اسے قبلہ رخ ہونا چاہئے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۴۶۶/۱ ح ۱۸۰۴ وسندہ صحیح)
خلاصہ: اذان میں قبلہ کی طرف رخ کرنا اجماع سے ثابت ہے، والحمد للہ

....

سوال: السلام علیکم: مختلف علماء سے درج ذیل احادیث سنی ہیں، لیکن علماء نے ان کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اور یہ علماء اب فوت ہو چکے ہیں، مہربانی فرما کر ان احادیث کی تخریج سے آگاہ کریں، اور یہ بھی آگاہ کریں کہ یہ احادیث صحیح ہیں یا نہیں؟
احادیث درج ذیل ہیں (مفہوم)

۱: ''آخر زمانہ میں ایک قوم آئے گی جس کا نام رافضی ہوگا، میرے صحابہؓ پر وہ تبرّا کریں گے، ان میں سے کوئی بیمار ہو جائے تو پوچھئے مت، مرجائے جنازہ مت پڑھئے، تمہارا مرجائے اپنے جنازے میں اسے شریک نہ کیجئے''
۲: جب فتنے اور بدعات عام ہو جائیں اور صحابہؓ پر تبرّا کیا جائے تو عالم کو چاہئے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے''
۳: رسول پاکؐ نے حضرت عمر کو کہا: اے عمر حق بات کہہ خواہ لوگوں کے دل پر وہ بری گزرے''
۴: جس قوم میں ابوبکر صدیقؓ موجود ہوں کسی اور کیلئے جائز نہیں کہ وہ امامت کرائے۔

(والسلام: عبداللہ طاہر، اسلام آباد'')
جواب: رافضی اس شخص کو کہتے ہیں جو ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذمت اور کردار کشی کو جائز سمجھتا ہے''
(القاموس الوحید: ص ۶۴۸)

حافظ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ:
" **ومن أبغض الشيخين واعتقد صحة إما متهما فهو رافضي مقيت ومن سبهما و اعتقد أنهما ليسا بإمامي هدى فهو من غلاة الرافضة** "
جو شخص شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) سے بُغض رکھے اور انہیں خلیفہِ برحق بھی سمجھے تو یہ شخص رافضی، قابلِ نفرت ہے اور جو شخص انہیں (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو) خلیفہِ برحق بھی نہ سمجھے اور بُرا کہے تو یہ شخص غالی رافضیوں میں سے ہے۔
(سیر اعلام النبلاء: ۴۵۸/۱۶ ترجمۃ الدارقطنی رحمہ اللہ)

حافظ ابن حجر العسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

'' فمن قدمه على أبي بكر و عمر فهو غالٍ في تشيعه ويطلق عليه رافضي ''

جوشخص (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کو (سیدنا) ابوبکر رضی اللہ عنہ و (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ پر (افضلیت میں) مقدم کردے تو وہ شخص غالی شیعہ ہے اور اس پر رافضی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (ھدی الساری مقدمہ فتح الباری: ص ۴۵۹)

اثنا عشری جعفری فرقہ، رافضی فرقہ ہے۔

دلیل نمبر:۱ غلام حسین نجفی رافضی نے اپنی کتاب ''جاگیر فدک'' میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''جناب ابوبکر اور مرزا صاحب میں کوئی فرق نہیں'' (ص ۵۰۹)

اس نجفی بیان میں صدیق اکبر کو مرزا غلام احمد قادیانی کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

دلیل نمبر۲: محمد الرضی الرضوی الرافضی کہتا ہے کہ:

'' أما برائتنا من الشيخين فذاك من ضرورة ديننا ...... ''إلخ

اور شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ناقل) سے برأت (تبرّا) کرنا ہمارے دین کی ضرورت میں سے ہے۔

(کذبوا علی الشیعہ: ص ۴۹)

روافض کے بارے میں مروی شدہ مرفوع احادیث کی تحقیق درج ذیل ہے۔

۱: بشر بن عبدالله عن أنس بن مالك عن النبي ﷺ قال: وأنه سيكون في آخر الزمان قوم يبغضونهم فلا تواكلوهم ولا تشاركوهم ولا تصلوا عليهم ولا تصلوا معهم ...... وهذا خبر باطل لا أصل له ''

آخری زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو ان (ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم) سے بُغض کریں گے، تم ان کے ساتھ نہ کھانا کھاؤ، نہ شریک کرو، نہ ان کا جنازہ پڑھو اور نہ ان کے ساتھ (مل کر) نماز پڑھو...... یہ روایت باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (کتاب المجروحین لابن حبان: ۱/۱۸۷)

حافظ ذہبی نے اس روایت کو سخت منکر قرار دیا۔ (میزان الاعتدال: ۱/۳۲)

بشر القصیر کے بارے میں امام ابن حبان نے کہا: '' منكر الحديث جداً '' یہ سخت منکر حدیثیں بیان کرنے والا ہے۔ (المجروحین: ص ۱۸۷)

۲: '' أبو عقيل يحي بن المتوكل عن كثير النواء عن إبراهيم بن حسن بن حسن بن علي بن أبي طالب عن أبيه عن جده قال قال علي بن أبي طالب: قال رسول الله ﷺ: يظهر في آخر الزمان قوم يسمون الرافضة، يرفضون الإسلام ''

آخری زمانہ میں ایک قوم ظاہر ہوگی جس کا م رافضی ہوگا، یہ لوگ اسلام کو چھوڑ دیں گے۔

(مسند احمد: ۱/۱۰۳ ح ۸۰۸، روایۃ عبداللہ بن احمد عن غیر ابیہ)

یہ روایت بلحاظِ سند ضعیف ہے۔

ابو عقیل یحیٰی بن المتوکل ضعیف ہے۔(تقریب التہذیب: ۷۶۲۳) کثیر بن اسماعیل النواء ضعیف ہے۔(تقریب: ۵۶۰۵)

امام ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

'' **هذا حديث لا يصح عن رسول الله ﷺ** '' یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے صحیح (ثابت) نہیں ہے۔

(العلل المتناہیہ: ۱/۱۵۷ ح ۲۵۲)

۸: '' **عمران بن زيد :ثنا الحجاج بن تميم عن ميمون بن مهران عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ :يكون في آخر الزمان قوم ينبزون :الرافضة ، يرفضون الإسلام ويلفظونه اقتلوهم فإنهم مشركون** ''

آخری زمانے میں ایک قوم ہوگی جسے رافضی کہا جائے گا یہ اسلام کو اتار کر پھینک دیں گے، انہیں قتل کرو کیوں کہ یہ مشرک ہیں۔(مسند عبد حمید: ح ۶۹۸، دوسرا نسخہ: ح ۶۹۷، والمسند الجامع: ۹/۵۹۶ ح ۷۰۸۲ واللفظ لہ)

یہ روایت ضعیف ہے، عمران بن زید: لین (یعنی ضعیف) ہے(تقریب: ۵۱۵۶) حجاج بن تمیم: ضعیف ہے(تقریب: ۱۱۲۰)

تنبیہ: ان راویوں پر محدثین کرام کی جرح تفصیلاً تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال وغیرہ میں موجود ہے۔تقریب کا حوالہ بطورِ اختصار اور بطورِ خلاصہ واعدل الاقوال دیا جاتا ہے۔والحمد للہ

۹: '' **عصام بن الحكم العكبرى :نا جميع بن عمير البصري :ثنا سوار الهمداني عن محمد بن جحادة عن الشعبي عن علي قال قال :رسول الله ﷺ :إنك وشيعتك في الجنة وسيأتي قوم (لهم نبز) يقال لهم الرافضة ، فإذا لقيمتوهم فاقتلوهم فإنهم مشركون** ''

(اے علی!) تم اور تمہارے شیعہ، جنت میں جائیں گے اور ایک قوم آئے گی جن کا لقب رافضی ہوگا، تم جب انہیں ملو تو انہیں قتل کرو، کیوں کہ یہ مشرک ہیں۔

(حلیۃ الاولیاء: ۴/۳۲۹ وتاریخ بغداد مختصراً: ۱۲/۲۸۹ ت ۶۷۳۱، والعلل المتناھیۃ: ۱/۱۵۸، ۱۵۹ ح: ۲۵۴ واللفظ لہ)

یہ روایت باطل ومردود ہے، سوار بن مصعب الھمدانی: منکر الحدیث (منکر حدیثیں بیان کرنے والا) ہے۔

(کتاب الضعفاء للإمام البخاری بتحقیقی: ۱۵۸)

امام یحیٰی بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا:

'' **وقد رأيته وليس بشيءٍ ، كان يجئينا إلى منزلنا** ''

میں نے اسے دیکھا ہے، یہ کچھ چیز نہیں ہے، یہ ہمارے ڈیرے پر آتا تھا۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۲۰۶۸)
اس پر شدید جروح کے لئے دیکھئے لسان المیزان (۱۲۸/۳، ۱۲۹ ت ۴۰۵۸) جمیع بن عمیر البصری: ضعیف ہے۔
(تقریب: ۹۶۷) عصام بن الحکم کی توثیق نامعلوم ہے۔
تنبیہ: جمیع بن عمیر کو جمیع بن عمر بھی کہا جاتا ہے۔

ج ''**تليد بن سليمان أبو إدريس المحاربي عن أبي الحجاف داود بن أبي عوف عن محمد بن عمرو الهاشمي عن زينب بنت علي عن فاطمة بنت رسول الله ﷺ قالت: نظر النبي ﷺ إلى علي فقال: هذا في الجنة وإن من شيعته قوم يعطون الإسلام فيلفظونه، لهم نبز يسمون الرافضة فمن لقيهم فليقتلهم فإنهم مشركون**''

نبی ﷺ نے علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف دیکھ کر فرمایا: یہ جنتی ہے اور اس کے شیعہ میں سے ایک قوم (ایسی) ہوگی جنھیں اسلام دیا جائے گا تو وہ اسلام کو پھینک دیں گے، ان کا صفاتی نام رافضی ہوگا، جو شخص انہیں پائے تو قتل کر دے، کیونکہ یہ مشرک ہیں۔

(کتاب المجروحین لابن حبان: ۲۰۵/۱ واللفظ لہ، العلل المتناہیۃ: ۱۵۹/۱ ح: ۲۵۵ ومسند ابی یعلیٰ بتحقیق الشیخ الاثری: ۱۶۵/۶ ح ۶۷۱۶ وتحقیق حسین سلیم اسد وھو ضعیف فی التحقیق: ۱۱۶/۱۲، ۱۱۷ ح ۶۷۴۹، ونسخہ مخطوطہ ص ۱۳۵، تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱۳۰/۴۳، موضح أوھام الجمع والتفریق للخطیب: ۴۳/۱)

یہ روایت سخت ضعیف اور باطل ہے۔
تلید بن سلیمان پر جمہور محدثین نے شدید جرح کی ہے لہذا بعض محدثین کی توثیق مردود ہے۔
امام یحيٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''**تليد كذاب، كان يشتم عثمان، وكل من يشتم عثمان أو طلحة أو أحداً من أصحاب النبي ﷺ، دجال لا يكتب عنه وعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين**''

تلید کذاب ہے، عثمان (رضی اللہ عنہ) کو گالیاں دیتا تھا۔ اور ہر وہ شخص جو عثمان یا طلحہ یا نبی ﷺ کے کسی ایک صحابی (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو گالی دے تو وہ شخص دجال ہے، اس سے (کچھ بھی) نہ لکھا جائے اور ایسے شخص پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ (تاریخ ابن معین: روایۃ الدوری: ۲۶۷۰)

تنبیہ (۱): مسند ابی یعلی میں قدیم زمانے سے یہ غلطی چلی آ رہی ہے کہ ابوادریس (تلید بن سلیمان) کی بجائے ابن ادریس لکھا ہوا ہے جو کہ یقیناً غلط ہے۔
حافظ الشام امام ابن عساکر، مسند ابی یعلی کے نسخے کی غلطی پر فرماتے ہیں کہ:

'' كذا قال وإنما هو أبو إدريس وهو تليد بن سليمان ''

راوی نے اسی طرح کہا ہے(!) حالانکہ یہ راوی (صرف اورصرف) ابوادریس تلید بن سلیمان ہے۔

(تاریخ دمشق:۳/۷/۱۳۱)

محقق جلیل القدر مولانا ارشاد الحق اثری نے بھی اس قدیم غلطی کی نشاندہی کر کے لکھا دیا ہے کہ ابن ادریس مصحف (تصحیف شدہ) ہے۔(مسندابی یعلی:۶/۱۶۵ح۶۷۱۶ حاشیہ)

حسین سلیم اسد جو کہ تحقیق حدیث میں ضعیف ونا قابلِ اعتبار ہے،لکھتا ہے کہ:

'' إسناده صحيح إن كانت زينب سمعت من أمها وإلا فهو منقطع ''

یعنی اس کی سند صحیح ہے، اگر زینب نے اپنی ماں (فاطمہ رضی اللہ عنہا) سے سنا ہے ورنہ منقطع ہے۔

(مسندابی یعلی:۱۲/۱۱۷ح۶۷۵۰ حاشیہ:۴)

ابوادریس (تلید) کی سند کو ابن ادریس (عبداللہ بن ادریس رحمہ اللہ) سمجھ کر اس روایت کو صحیح قرار دینا حسین الدارانی جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔

تنبیہ (۲): ابوالجحاف داود بن ابی عوف کا ذکر تلید ابوادریس کے استادوں میں تو موجود ہے۔(دیکھئے تہذیب الکمال وغیرہ) لیکن عبداللہ بن ادریس کے استادوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔خلاصہ یہ کہ تلید ابوادریس کی بیان کردہ یہ روایت باطل ہے،اس کے بارے میں امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

'' هذا لا يصح عن رسول الله ﷺ '' یہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح (ثابت) نہیں ہے۔(العلل المتناھیہ:۱/۱۵۹ح۲۵۵)

ج: '' حجاج بن تميم عن ميمون بن مهران عن ابن عباس عن النبي ﷺ قال :يا علي سيكون في أمتي قوم ينتحلون حبنا أهل البيت لهم نبز يسمون الرافضة فاقتلوهم فانهم مشركون ''

اے علی (بن ابی طالب، رضی اللہ عنہ) عنقریب میری امت میں ایک قوم ہوگی جو ہماری: اہلِ بیت کی محبت کو دعوی کرے گی، ان لوگوں کا لقب رافضی ہوگا، پس انہیں قتل کرو یہ مشرک ہیں۔

(المعجم الکبیر للطبرانی:۱۲/۲۴۲ح۱۲۹۹۸وحلیۃ الاولیاء:۴/۹۵،مسندابی لیلیٰ:۴/۴۵۹ح۲۵۸۶والسنۃ لابن ابی عاصم:ح۹۸۱)

یہ روایت ضعیف ہے، حجاج بن تمیم: ضعیف ہے جیسا کہ حدیث نمبر۳ کی تحقیق میں گزر چکا ہے۔(ص۳) اس ضعیف راوی کے باوجود علامہ ہیثمی لکھتے ہیں کہ:'' وإسناده حسن '' اور اس کی سند حسن ہے۔(مجمع الزوائد:۱۰/۲۲)

ہیثمی کا یہ قول جمہور محدثین کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

د: '' الفضل بن غانم :حدثنا سوار بن مصعب عن عطية العوفي عن أبي سعيد الخدري عن أم سلمة عن النبي ﷺ قال :أنت وأصحابك في الجنة ، أنت وشيعتك في الجنة ، الا أن ممن

يحبك قوماً يضفرون الإسلام بألسنتهم ، يقرؤن القرآن لا يجاوز تراقيهم ، لهم نبز يسمون الرافضة ، فإذا لقيتهم فجاهد هم فإنهم مشركون ، قال :قلت يا رسول الله ﷺ ما علامة ذلك فيهم ؟ قال :يتركون الجمعة والجماعة ، ويطعنون في السلف الأول ''

(اے علی) تم اور تمہارے ساتھی جنتی ہیں ،تم اور تمہارے شیعہ جنتی ہیں ،سوائے اس کے کہ ایک قوم تجھ سے محبت (کا دعوی) کرے گی ، یہ اسلام کا زبانی دعوی کریں گے ،قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا ، ان کا لقب رافضی ہوگا ، جب تم انہیں پاؤ تو ان سے جہاد کرو کیونکہ یہ مشرک ہیں ۔(سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا) میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ! ان کی علامت کیا ہوگی ؟ آپ نے فرمایا: جمعہ اور جماعت ترک کردیں گے اور سلف اول (یعنی صحابہ) پر طعن کریں گے ۔(تاریخ بغداد للخطیب :۱۲/۳۵۸ ت ۶۷۹۰ الأوسط للطبرانی :۷/۳۱۵، ۳۱۶ ح ۶۶۰۱)

یہ روایت سخت ضعیف ، باطل اور مردود ہے ۔

فضل بن غانم کے بارے میں امام ابن معین نے فرمایا: '' ضعيف ليس بشئ '' یہ ضعیف ہے ، کچھ چیز نہیں ہے ۔ (سوالات ابن الجنید :۱۱) سوار بن مصعب :منکر الحدیث ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۴ کے تحت گزر چکا ہے ۔(ص ۳)

عطیہ العوفی کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے ،حافظ ابن حجر نے کہا:

'' ضعيف الحفظ ، مشهور بالتدليس القبيح '' حافظے کی وجہ سے ضعیف ہے اور گندی تدلیس کرنے کے ساتھ مشہور ہے ۔(طبقات المدلسین بتحقیقی :۱۲۲/۴)

ہ : '' أبو سعيد محمد بن أسعد التغلبي :حدثنا عبثر بن القاسم أبو زبيد (عن حصين بن عبدالرحمٰن عن أبي عبدالرحمٰن السلمي عن علي) قال قال :رسول الله ﷺ :سيأتي بعدى قوم لهم نبز ، يقال لهم الرافضة ، فإذا لقيمتوهم فاقتلوهم فإنهم مشركون ، قلت :يارسول الله! ما العلامة فيهم ؟ قال :يقرضونك بما ليس فيك ويطعنون على أصحابي ويشتمونهم ''

میرے بعد ایک قوم آئے گی جس کا لقب رافضی (رافضہ) ہوگا ،تم جب انہیں پاؤ تو انہیں قتل کرو ، بے شک وہ مشرک ہیں ، میں (علی رضی اللہ عنہ) نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ ان کی (پہچان ، نشانی) کیا ہے ؟ فرمایا: تیرے بارے میں ایسی باتیں کہیں گے جو تجھ میں نہیں ہیں اور میرے صحابہ پر طعن وتشیع کریں گے ۔(کتاب السنہ لابن ابی عاصم :۲/۶۷۲ ح ۹۷۹)

یہ روایت ضعیف ہے ، محمد بن اسعد التغلبی : لین (یعنی ضعیف) ہے ۔(تقریب :۵۷۲۶)

ع : '' بكر بن خنيس :حدثنا سوار بن مصعب عن داود بن أبي عوف عن فاطمة بنت علي عن فاطمة الكبرى عن أسماء بنت عميس عن أم سلمة عن رسول الله ﷺ قال :أبشر يا علي ! أنت و أصحابك في الجنة ، إلا إن ممن يزعم أنه يحبك قوم يرفضون الإسلام ، يلفظونه يقال لهم

الرافضة (فإذا أدركتهم فجاهدهم) فإنهم مشركون ، قلت :يا رسول الله !ما العلامة فيهم ؟ قال : لا يشهدون جمعة ولا جماعة ويطعون على السف ''

اے علی! تجھے خوشخبری ہو،تو اور تیرے ساتھی جنتی ہیں سوائے ان کے جو تیری محبت کے دعویدار ہیں مگر اسلام کو دور پھینکنے والے ہیں، انہیں رافضی کہا جائے گا۔ تو جب انہیں پائے تو ان سے جہاد کرنا کیونکہ وہ مشرک ہیں، میں نے کہا: یارسول اللہ! ان کی نشانی کیا ہے؟ فرمایا: وہ جمعہ اور جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھیں گے اور سلف (صالحین، صحابہ) پر طعن کریں گے۔
(کتاب السنہ: ح ۹۸۰)

یہ سند سخت ضعیف اور مردود ہے۔ بکر بن خنیس جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ (دیکھئے تسہیل الحاجۃ فی تحقیق سنن ابن ماجہ: ح ۲۲۹ وتحریر تقریب التہذیب: ۷۳۹)

سوار منکر الحدیث (یعنی سخت ضعیف) ہے۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۴ کے تحت گزر چکا ہے۔ (ص ۳)

خلاصة التحقيق : رافضیوں کا نام لے کر، مذمت والی کوئی روایت بھی صحیح و ثابت نہیں ہے، اس مفہوم کی دیگر بے اصل، موضوع اور مردود روایات درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہیں۔

شرح اصول اعتقاد اھل السنہ للالکائی (۱۴۵۳/۸-۱۴۵۵) معالم التنزیل للبغوی (۲۰۸/۴ آخر سورۃ الفتح) کنز العمال (۳۲۴/۱۱ ح ۳۱۶۳۵، ۳۱۶۳۶)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

'' ثنا وكيع عن شعبة عن أبي التياح عن أبي السوار قال قال علي :ليحبني قوم حتى يدخلوا النار في حبي وليبغضني قوم حتى يدخلوا النار في بغضي ''

علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ایک قوم (لوگوں کی جماعت) میرے ساتھ (اندھادھند) محبت کرے گی حتی کہ وہ میری (افراط والی) محبت کی وجہ سے (جہنم کی) آگ میں داخل ہوگی اور ایک قوم میرے ساتھ بغض کرے گی حتی کہ وہ میرے بغض کی وجہ سے (جہنم کی) آگ میں داخل ہوگی۔

(کتاب فضائل الصحابہ: ۵۶۵/۲ ح: ۹۵۲ واسنادہ صحیح، کتاب السنہ لابن ابی عاصم: ح ۹۸۳ ن وسندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ:

'' نا وكيع عن نعيم بن حكيم عن أبي مريم قال :سمعت علياً يقول :يهلك في رجلان ، مفرط غال و مبغض قال ''

(سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میرے بارے میں دو (قسم کے) مرد ہلاک ہو جائیں گے (۱) غالی (اور محبت میں ناجائز) افراط کرنے والا، اور (۲) بغض کرنے والا حجت باز۔ (فضائل الصحابہ: ۵۷۱/۲ ح: ۹۶۴ واسنادہ حسن)

چونکہ ان دونوں اقوال کا تعلق غیب سے ہے لہٰذا یہ دونوں مرفوع حکماً ہیں یعنی رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ باتیں بتائی ہوں گی، لہٰذا رافضی اور غلو کرنے والے شیعہ حضرات دنیا وآخرت دونوں میں رسوا اور ہلاک ہو جائیں گے۔

واللہ من ورائهم محيط

تلخیص الجواب: سوال میں بیان کردہ روایت بے اصل اور باطل ہے۔

﴿۲﴾ مسند الفردوس للدیلمی میں لکھا ہوا ہے کہ:

'' **إذا ظهر البدع في أمتي (و شتم أصحابي) فليظهر العالم علمه فإن لم يفعل فعليه لعنة الله** ''

ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مرفوعاً مروی ہے کہ: جب میری امت میں بدعتیں ظاہر ہو جائیں اور میرے صحابہ کو گالیاں دی جائیں تو عالم کو اپنا علم ظاہر کرنا چاہئے، اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ (۱/۳۹۰ ح ۱۲۷۵)

یہ روایت بے سند و بے اصل ہے لہٰذا مردود و باطل ہے، اس مفہوم کی تائید کرنے والی ایک ضعیف و مردود روایت تاریخ دمشق لابن عساکر (۶۲/۵۷) میں ہے۔ اس روایت میں محمد بن عبدالرحمٰن بن رمل الدمشقی مجہول الحال ہے، شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔ (السلسلۃ الضعیفۃ: ۴/۱۴ ح ۱۵۰۶)

دیلمی نے اس کی ایک موضوع (من گھڑت) سند بھی بیان کر رکھی ہے۔ (ایضاً ص ۱۵)

خلاصہ: یہ روایت بے اصل ومردود ہے۔

﴿۳﴾ یہ روایت بے اصل ہے، اس کی کوئی سند مجھے نہیں ملی۔

﴿۴﴾ سنن ترمذی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ: '' **لا ينبغي فيهم أبو بكر أن يؤمهم غيره** ''

لوگوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اگر وہ ان میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) موجود ہوں تو کوئی دوسرا شخص ان کی امامت کرانے لگے۔ (ح ۳۶۷۳)

یہ روایت ضعیف ہے، عیسیٰ بن میمون الانصاری: ضعیف ہے۔ (تقریب: ۵۳۳۵)

محدث البانی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں '' ضعف جداً '' یعنی سخت ضعیف ہے۔ (سنن الترمذی: ص ۸۳۴، السلسلۃ الضعیفہ: ۱۰/۳۶۵) اس کی تائید والی دو مردود و باطل روایتیں السلسلہ الصحیحہ: ۱۰/۳۶۶ ح ۸۲۰) میں بطور رد مذکور ہیں۔ محدث ارشاد الحق اثری نے سیوطی (اللآلی: ۱/۲۹۶) وغیرہ میں کہا ہے کہ یہ روایت شواہد کے لحاظ سے حسن یعنی حسن لغیرہ ہے، حالانکہ یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، اس روایت کے شواہد مردود و باطل ہیں لہٰذا یہ حسن لغیرہ کے درجے تک قطعاً نہیں پہنچتی، **وما علينا إلا البلاغ** (۶ جولائی ۲۰۰۴ء)

....

سوال: '' کیا الخیرات الحسان '' حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ علیہ کی کتاب ہے؟ اور کیا اس کتاب میں انہوں نے

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال وواقعات لکھے ہیں؟ اس کتاب کی وضاحت فرمائیں کہ اس کی کیا حیثیت ہے، کیونکہ دیوبندیوں نے دورانِ گفتگو اس کتاب کا حوالہ دیا ہے جس کے بارے میں ہمیں علم نہیں، آپ وضاحت فرمائیں۔

(خرم ارشاد محمدی، دولت نگر۔ گجرات)

جواب: کتاب '' الخيرات الحسان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ''

حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) کی لکھی ہوئی نہیں ہے، بلکہ اسے شہاب الدین احمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی المکی السعدی الانصاری الشافعی، ابوالعباس (متوفی ۹۷۳ھ) نے لکھا ہے۔

اس ابن حجر المکی کے بارے میں امام محمود شکری بن عبداللہ بن محمود بن عبداللہ بن محمود الحسینی الآلوسی البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۴۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

'' کیونکہ ابن حجر کی اکثر کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں، اور افتراء، قولِ زور، بے اصل آراء اور دعوت الی غیر اللہ وغیرہ بدعات وضلالات سے پر ہیں'' (انوار رحمانی ترجمۃ غایۃ الأمانی: ۴۳۳/۲)

امام آلوسی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں کہ:

''ابن حجر کی سب کتابیں اہلِ بصیرت کی نظر میں عیوب کی جامع ہیں اور ان میں بعض میں دوسروں کی کتابوں کا سرقہ کا عیب بھی ہے...... پھر ان میں موضوع احادیث ہیں، جنہیں غلط طور پر آں حضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے''

(انوار رحمانی ترجمۃ غایۃ الامانی: ۴۳۳/۲، ۴۳۴)

امام آلوسی کے بارے میں عمر رضا کحالہ نے لکھا ہے کہ:

'' جمال الدين أبو المعالي ، مؤرخ أديب لغوي ، من علماء الدين ...... ''

(معجم المؤلفین: ۸۱۰/۳ ت ۱۶۶۰۳)

خیر الدین الزرکلی نے لکھا ہے کہ:

'' مؤرخ عالم بالأدب والدين ، من الدعاة إلى الإصلاح :وحمل على أهل البدع في الإسلام برسائل فعاداه كثيرون '' (الأعلام: ۱۷۲/۷)

امام آلوسی البغدادی رحمہ اللہ کی اس گواہی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ''الخیرات الحسان'' کے بارے میں درج ذیل اہم نکات پیشِ خدمت ہیں:

۱: اس کتاب میں سندیں حذف کر کے قال فلان اور روی فلان کے ساتھ روایتیں لکھی گئی ہیں، اہلِ تحقیق پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ بے سند وغیر ثابت روایات کے بارے میں قال فلان اور روی فلان وغیرہ کے الفاظ لکھنا انتہائی معیوب اور ناپسندیدہ حرکت ہے۔

۲: ابن حجر مکی نے موضوع و بے اصل روایات کو جزم کے صیغے استعمال کر کے بیان کیا ہے تا کہ عام لوگ یہ سمجھیں کہ یہ روایات صحیح و ثابت ہیں۔

مثال نمبرا: '' وعنه :إن احتيج للرأي فرأي مالك و سفيان و أبي حنيفة وهو أفقههم و أحسنهم وأدقهم فطنة وأغوصهم على الفقه '' (الخیرات الحسان:ص ۴۵)

''ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ اگر رائے کی ضرورت ہو تو امام مالکؒ اور سفیانؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی رائیں درست ہیں، ان سب میں امام ابوحنیفہ سے زیادہ فقیہہ اور اچھے فقیہ تھے اور باریک بینی اور فقیہ میں زیادہ غور و خوص کرنے والے تھے''

(سرتاج محدثین ص ۱۵۷ مترجم: عبدالغنی طارق دیوبندی)

تبصرہ: یہ روایت تاریخ بغداد للخطیب البغدادی رحمہ اللہ (۳۴۳/۱۳) میں احمد بن محمد بن مغلس (الحمانی) کی سند سے موجود ہے، اس ابن مغلس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا:

'' وما رأيت في الكذابين أقل حياء منه '' اور میں نے جھوٹوں میں اتنا بے حیا کوئی شخص نہیں دیکھا۔

(الکامل لابن عدی: ۲۰۲/۱)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا: '' يضع الحديث '' یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین: ص ۱۲۳ ترجمہ: ۵۹)

اس کذاب شخص کو کسی محدث نے ثقہ یا صدوق نہیں کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

'' وقسم كالبخاري و أحمد بن حنبل و أبي زرعة و ابن عدي :معتدلون منصفون ''

یعنی (امام) بخاری، (امام) احمد بن حنبل، (امام) ابوزرعہ، اور (امام) ابن عدی (سب) معتدل اور انصاف کرنے والے تھے۔ (ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل: ص ۱۵۹/۲)

سخاوی نے کہا:

'' وقسم معتدل كأحمد والدارقطني و ابن عدي ''

اور ایک قسم (جرح و تعدیل) والے معتدل ہیں مثلاً احمد، دارقطنی اور ابن عدی۔ (المتکلمون فی الرجال ص: ۱۳۷)

مثال نمبر۲: ابن حجر المکی نے کہا:

'' وقال وكيع :ما رأيت أحداً أفقه منه ولا أحسن صلاة منه '' (الخیرات الحسان: ص ۴۸)

''محدث وکیعؒ فرماتے ہیں: میں نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑا نہ فقیہ دیکھا ہے اور نہ کسی کو ان سے اچھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا'' (سرتاج محدثین: ص ۱۶۳)

یہ روایت تاریخ بغداد (۳۴۵/۱۳) میں احمد بن الصلت الحمانی کی سند سے ہے اور احمد بن الصلت کذاب ہے جیسا کہ

ابھی گزرا ہے۔ یہ دو مثالیں بطورِ نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ ''الخیرات الحسان'' اس قسم کی موضوع، بے اصل اور باطل روایات سے بھری ہوئی ہے۔

۳: کسی کتاب سے حوالہ پیش کرنے کے لئے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول: صاحبِ کتاب ثقہ وصدوق ہو۔

دوم: کتاب، صاحبِ کتاب تک صحیح ثابت ہو۔

سوم: صاحبِ کتاب سے لے کر صاحبِ قول وروایت تک سند صحیح وحسن لذاتہ ہو۔

ان شرطوں میں سے اگر ایک بھی مفقود ہو تو پھر کتاب کا حوالہ بے کار اور مردود ہو جاتا ہے۔

۴: ابن حجر مکی - المبتدع کی کتاب ''الخیرات الحسان'' میں مناقب الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ والی روایات کا بہت بڑا اور اکثر حصہ غیر ثابت، موضوع اور بے اصل روایات پر مشتمل ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۲۰ جولائی ۲۰۰۴ء)

....

سوال: کیا سورۃ الملک کی تلاوت عذابِ قبر سے نجات دلائے گی۔ صحیح احادیث کے حوالے سے رہنمائی فرمادیں؟

(سید جاوید مسعود غزنوی، اٹک ۲۹-۰۶-۰۴)

جواب: **الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الأمين ، أما بعد :**

سورہ ملک (– **تبارك الذي بيده الملك ، الخ**) کی فضیلت میں درج ذیل احادیث مروی ہیں۔

ط: '' **يحي بن عمرو بن مالك النكري عن أبيه عن أبي الجوزاء عن ابن عباس قال :ضرب بعض أصحاب النبي ﷺ خباء ه على قبر وهو لا يحسب أنه قبر ، فإذا فيه إنسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها ، فأتى النبي ﷺ فقال :يا رسول الله !ضربت خباء ي على قبر وأنا لا أحسب أنه قبر ، فإذا فيه إنسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها فقال النبي ﷺ :هي المانعة ، هي المنجية ، تنجيه من عذاب القبر ، هذا حديث غريب من هذا الوجه وفي الباب عن أبي هريرة** ''

یحیٰ بن عمرو بن مالک النکری سے روایت ہے کہ، اس نے اپنے باپ (عمرو بن مالک النکری) سے، اس نے ابوالجوزاء سے اس نے (عبداللہ) بن عباس (رضی اللہ عنہ) سے بیان کیا کہ: نبی ﷺ کے ایک صحابی نے ایک قبر پر خیمہ لگا دیا اور انہیں پتہ نہیں تھا کہ یہ قبر ہے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک انسان (پوری) سورۃ الملک پڑھ کر اس کا ختم کر رہا ہے، تو انہوں نے نبی ﷺ کے پاس آ کر کہا: یارسول اللہ! میں نے ایک قبر پر خیمہ لگایا اور مجھے یہ خبر نہیں تھی کہ وہاں قبر ہے، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک انسان سورۃ الملک آخر تک پڑھ کر اس کا ختم کر رہا ہے؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ روکنے والی ہے، یہ نجات دینے والی ہے، یہ اسے قبر کے عذاب سے نجات دینے والی ہے'' یہ حدیث اس سند سے غریب (اجنبی) ہے، اور اس باب میں

ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے بھی (حدیث) مروی ہے۔ (سنن الترمذی: ۴/۲۷ح ۲۸۹۰ونسخہ مخطوطہ: ص ۱۸۷/۱)
اسے یحيی بن عمرو بن مالک کی سند کے ساتھ درج ذیل محدثین نے بھی روایت کیا ہے:
ابونعیم الاصبہانی (حلیۃ الاولیاء: ۸۱/۳) البیہقی (اثبات عذاب القبر، بتحقیقی: ح ۱۴۶، **وقال تفرد به يحي بن عمرو بن مالك وهو ضعيف**) محمد بن نصر المروزی (مختصر قیام اللیل للمقریزی: ص ۱۴۵، ۱۴۶) ابن عدی الجرجانی (الکامل فی ضعفاء الرجال: ۲۶۶۲/۷) الطبرانی (المعجم الکبیر: ۱۷۵/۱۲ ح ۱۲۸۰۱) المزی (تہذیب الکمال: ۱۸۱/۲۰، ۱۸۲)

یہ روایت بلحاظِ اصولِ حدیث: ضعیف و مردود ہے، اس کے راوی یحيی بن عمرو بن مالک کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''وہ ضعیف ہے'' حافظ ذہبی نے فرمایا: ''ضعیف'' (الکاشف: ۲۳۲/۳) حافظ ابن حجر العسقلانی نے گواہی دی: " **ضعيف ، ويقال :إن حماد بن زيد كذبه** " (تقریب التہذیب: ۷۶۱۴)
اس راوی پر دیگر محدثین کی جرح کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال وتہذیب التہذیب ومیزان الاعتدال، وغیرہ

ط : ''**شعبة عن قتادة عن عباس الجشمي عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال :إن سورة من القرآن ثلاثون آية ، شفعت لرجل حتى غفرله ، وهى تبارك الذي بيده الملك ، هذا حديث حسن**''
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک قرآن کی ایک سورت، تیس آیتوں والی نے اپنے پڑھنے والے کی سفارش کی حتی کہ اسے بخش دیا گیا، یہ سورۃ الملک ہے، یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن الترمذی: ح ۲۸۹۱)
اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے، اسے ابوداود (۱۴۰۰) اور ابن ماجہ (۳۷۸۶) وغیرہما نے بھی امام شعبہ سے بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حبان (موارد الظمآن: ح ۱۷۶۶) حاکم (۴۹۷/۲، ۴۹۸) اور ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔
تنبیہ ۱: اس روایت پر جرح مبہم و مردود ہے۔
تنبیہ ۲: قتادہ سے اگر شعبہ روایت کریں تو قتادہ کی روایت سماع پر محمول ہوتی ہے۔

ي: " **سليمان بن داود بن يحي البصري :نا شيبان بن فروخ :نا سلام بن مسكين عن ثابت عن أنس قال قال رسول الله ﷺ :سورة في القرآن ما هي إلا ثلاثين آية خاصمت عن صاحبها حتى أدخله الجنة وهى سورة تبارك** "
انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کی ایک سورت، جس کی تیس آیتیں ہیں، نے اپنے پڑھنے والے کا دفاع کیا حتی کہ اسے جنت میں داخل کر دیا، یہ سورت تبارک (**الذي بيده الملك**) ہے،
(المعجم الصغیر للطبرانی: ۱۷۶/۱ ح ۴۹۶ والأوسط: ۳۶۶۷، المختارۃ للضیاء المقدسی: ۱۱۴/۵، ۱۱۵ ح ۱۷۳۸، ۱۷۳۹)
اس روایت کے راوی ابوایوب سلیمان بن داود بن یحيی مولی بنی ھاشم کے حالاتِ توثیق مطلوب ہیں۔

ك : " **ليث (بن أبي سليم) عن أبي الزبير عن جابر :أن النبي ﷺ كان لا ينام حتى يقرأ**

﴿الم تنزيل ، وتبارك الذي بيده الملك﴾
جابر رضی اللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سورۃ السجدۃ اور سورۃ الملک پڑھنے کے بغیر نہیں سوتے تھے۔
(سنن الترمذی:۲۸۹۲)

یہ روایت لیث بن ابی سلیم کی سند سے درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے۔
مسند احمد (۳/۳۴۰ ح ۱۴۷۱۴) مسند عبد بن حمید (ح:۱۰۳۸ ولیث صرح بالسماع عندہ) مسند الدارمی (ح:۳۴۱۴، دوسرا نسخہ: ح ۳۴۵۴) قیام اللیل للمروزی مختصر المقریزی (ص ۱۴۶) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۰/۴۴۲ ح ۲۹۸۰۷) السنن الکبری للنسائی (ح ۱۰۵۴۲ و عمل الیوم واللیلۃ ح:۷۰۷) عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی (ح:۶۷۵، دوسرا نسخہ ح:۶۷۷)
شیخ سلیم الھلالی نے اس روایت کی طویل تخریج کر رکھی ہے۔
لیث بن ابی سلیم ضعیف راوی ہے لیکن مغیرہ بن مسلم (صدوق/تقریب التہذیب:۶۸۵۰) نے یہی روایت ابوالزبیر المکی سے بیان کر رکھی ہے۔ (دیکھئے السنن الکبری للنسائی: ح ۱۰۵۴۲ و عمل الیوم واللیلۃ ح:۷۰۶، والأدب المفرد للبخاری: ح ۱۲۰۷) ابوالزبیر مدلس راوی ہے، دیکھئے میری کتاب ''الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین'' (۱۰۱/۳) اور روایت معنعن (عن سے) ہے لہذا یہ سند ضعیف ہے۔
ابوالزبیر سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ روایت جابر (بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ) سے سنی ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے یہ خبر صرف صفوان یا ابن صفوان نے (مرسلاً) بتائی ہے۔ (سنن الترمذی: ح ۲۸۹۲)
حافظ ابن حجر نے کمال تحقیق کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:
'' وعلى هذا فهو مرسل أو معضل '' اس لحاظ سے یہ روایت مرسل یا معضل (منقطع) ہے۔
(نتائج الافکار:۲۶۷/۳)

حافظ ابن حجر نے اس کلام پر شیخ سلیم بن عید الھلالی السلفی لکھتے ہیں کہ:
'' وهذا كلام في غاية التحقيق ، وقد خفي هذا على شيخنا الألباني – رحمه الله ،في الصحيحة ﴿ط﴾ فجعل رواية زهير بن معاوية هذه عن صفوان أو ابن صفوان عن جابر وهذا خطأ منه – رحمه الله ، فإن صفوان لم يروه عن جابر وإنما منتهاه عن صفوان نفسه ...... ''
اور یہ کلام تحقیق کے انتہائی اعلیٰ مقام پر ہے اور یہ ہمارے استاذ شیخ الالبانی رحمہ اللہ پر پوشیدہ رہ گیا۔ انہوں نے اپنی کتاب الصحیحہ میں زہیر بن معاویہ کی روایت کو صفوان یا ابن صفوان عن جابر سمجھ لیا اور یہ ان کی غلطی ہے، رحمہ اللہ، بے شک صفوان نے یہ روایت جابر (رضی اللہ عنہ) سے بیان نہیں کی، یہ تو ان کا اپنا قول ہے۔ (عجالۃ الراغب المتمنی:۶۹/۲، ۷) یا مرسل ہے۔

خلاصة التحقیق : یہ روایت بلحاظِ سند ضعیف ہے۔

۵: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

'' **یؤتی رجل من جوانب قبره ، فجعلت سورة من القرآن تجادل عنه حتی منعته** ''

مفہوم: آدمی کی قبر میں قرآن کی ایک سورت (تیس آیتوں والی) نے آدمی کا دفاع کیا حتی کہ وہ شخص عذاب سے بچ گیا، (مُرہ تابعی کہتے ہیں کہ) میں نے اور مسروق (تابعی) نے غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سورۃ الملک ہے۔

(دلائل النبوہ للبیہقی: ۷/۴۱ وسندہ حسن)

اس روایت کی دوسری سندوں کے لئے دیکھئے مستدرک الحاکم (۲/۴۹۸) وغیرہ، ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

'' **سورة تبارك هي المانعة تمنع بإذن الله من عذاب القبر** ......'' إلخ

سورۃ الملک، اللہ کے اذن سے، عذاب قبر سے بچاتی ہے۔ (اثبات عذاب القبر: للبیہقی: ح ۱۴۵ بتحقیقی وسندہ حسن)

۶: خالد بن معدان رحمہ اللہ (تابعی، متوفی ۱۰۳ھ) سونے سے پہلے سورۃ السجدہ اور سورۃ الملک ضرور پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دو سورتیں پڑھنے والے کی سفارش کریں گی اور اسے عذاب قبر سے بچائیں گی۔

(مسند احمد: ۲/۴۵۵ ح ۳۴۱۳ وسندہ حسن، اَضواء المصابیح ح ۲۱۷۶ ب)

یہ روایت عبداللہ بن صالح کاتب الحدیث کی وجہ سے حسن ہے، صحیح حدیث کی دو قسمیں انتہائی اہم ہیں۔

۱: صحیح لذاتہ ۲: حسن لذاتہ

صحیح حدیث کی طرح حسن حدیث بھی حجت ہوتی ہے۔

خلاصة التحقیق : سونے سے پہلے سورۃ تبارک پڑھنا صحیح ہے اور موجب ثواب ہے، والحمدللہ

....

الإمام عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہما

حافظ زبیر علی زئی

رسول اللہ ﷺ کی مبارک مجلس ہے۔ جلیل القدر صحابہ کرام مثلاً ابوبکر، عمر، ابوہریرہ اور انس بن مالک وغیرھم رضی اللہ عنہم اجمعین، آپ ﷺ کے اردگرد ہالہ بنائے تشریف فرما ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنے پیارے صحابہ سے دریافت فرماتے ہیں: '' وہ کون سا درخت ہے جس کے [سارے] پتے [خزاں میں بھی] نہیں گرتے؟ مسلمان کی مثال اس درخت جیسی ہے۔''

اولیاء الرحمٰن کی اس مقدس محفل میں خاموشی چھا جاتی ہے۔ صرف ایک لڑکا ایسا ہے جس کے دل میں خیال گزرتا ہے کہ: یہ کھجور کا درخت ہے۔ مگر وہ اپنی کم سنی کی وجہ سے اور بڑوں کا ادب کرتے ہوئے حیا کے سبب خاموش رہتا ہے۔ آخرکار نبی ﷺ کے جانباز ساتھی آپ سے پوچھتے ہیں آپ ہی بتا دیں کہ یہ کون سا درخت ہے؟

خاتم النبیین ﷺ کی کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان سے موتی بکھرتے ہیں: ''یہ کھجور کا درخت ہے''

بعد میں یہ ہونہار لڑکا اپنے عظیم المرتبت والد کو ساری بات بتا دیتا ہے۔ اس کا مجاہد باپ فرماتا ہے: اگر تو یہ کہہ دیتا کہ یہ کھجور کا درخت ہے تو مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔ (صحیح بخاری: ۶۱۴۴ و صحیح مسلم: ۲۸۱۱)

یہ عظیم الشان لڑکا تاریخ اسلام میں سیدنا عبداللہ بن عمر [رضی اللہ عنہما] کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ: **''عبد الله بن عمر بن الخطاب بن نفيل۔۔۔ الإمام القدوة شيخ الإسلام أبو عبدالرحمن القرشي العدوي المكي ثم المدني''** (سیر اعلام النبلاء ۳/ ۲۰۴)

حافظ ذہبی مزید لکھتے ہیں '' آپ مدینہ کے رہنے والے فقیہ اور علم و عمل میں نہایت بلند پایہ تھے۔ آپ نے غزوۂ خندق میں شرکت کی اور بیعت الرضوان کے موقع پر شرفِ بیعت سے بھی مشرف ہوئے۔ آپ بارِ خلافت سنبھالنے کی پوری اہلیت رکھتے تھے چنانچہ صفین کے موقعہ پر علی رضی اللہ عنہ اور فاتح عراق سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسی اہم شخصیتوں کی موجودگی میں ان کا نام خلافت کے لئے پیش کیا گیا'' (تذکرۃ الحفاظ اردو: ۱/ ۵۱ نمبر ۱۷)

آپ بچپن میں مسلمان ہو گئے تھے۔ (تاریخ بغداد: ۱/ ۱۷۱)

آپ نے اپنے والد عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی۔ غزوۂ احد میں آپ کم سنی کے سبب شریک نہ ہو سکے آپ پہلی بار غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی: ۳/ ۲۰۴)

رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ''**رجل صالح**'' یعنی نیک مرد کہا۔ (صحیح بخاری: ۷۰۲۹ و صحیح مسلم: ۲۴۷۸)

آپ نزولِ وحی سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ (کتاب الثقات لابن حبان: ۳/ ۲۱۰، ۲۰۹، اسد الغابۃ: ۳/ ۲۳۰)

آپ دقیق النظر فقیہ صحابی اور محدث تھے۔ آپ کی فقاہت کا لوہا تمام علماء نے تسلیم کیا ہے۔

(ملاحظہ ہوالا حکام لابن حزم ۹۲/۵ ، تذکرۃ الحفاظ ۳۷/۱، اصول الشاشی ۵ ۷، نورالانوار ص ۱۷۸)

عبدالحئی بن العماد نے آپ کو " السید الجلیل الفقیہ العابد الزاھد" لکھا ہے۔ (شذرات الذہب: ۸۱/۱)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

" ولد بعد المبعث بیسیر ، وا ستصغر یوم أحد وهو ابن أربع عشرة ، وهو أحد المكثرين من الصحابة والعبادلة ، وكان من أ شد الناس اتباعاً للأ ثر" آپ بعثت نبوی (ﷺ) کے تھوڑا عرصہ بعد پیدا ہوئے، غزوۂ اُحد کے موقع چودہ سال کی عمر کی وجہ سے چھوٹے سمجھے گئے (لہذا غزوۂ اُحد میں شریک نہ ہو سکے) آپ لوگوں میں، سب سے زیادہ، سنت پر عمل کرنے والے تھے۔ (تقریب التہذیب: ۳۴۹۰)

آپ غزوۂ خندق میں شریک ہوئے تھے۔

صحابہ و تابعین وغیرھم نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ قریش کے نوجوانوں میں اپنے آپ کو دنیا کے بارے میں سب سے زیادہ قابو رکھنے والے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس کی طرف دنیا جھکی نہیں ہے اور وہ دنیا کی طرف نہیں جھکا سوائے عمر رضی اللہ عنہ اور اس کے بیٹے کے۔ (مستدرک ۵۶۰/۳ وصححہ علی شرط الشیخین ووافقہ الذھبی، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/ ۱۴۸، وفیات الاعیان لابن خلکان ۲۹/۳)

نافع سے پوچھا گیا کہ عبداللہ بن عمر اپنے گھر میں کیا کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: (عام) لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے آپ ہر نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور قرآن دیکھ کر تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ (ابن سعد: ۱۷۰/۴، وسندہ صحیح)

امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے برابر کسی کی رائے کو نہ سمجھیں۔ آپ رسول ﷺ کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے ہیں۔ آپ پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات میں سے کچھ بھی مخفی نہ رہا۔ (مستدرک: ۵۵۹/۳)

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: آپ ائمہ دین میں سے تھے۔ (المعرفۃ والتاریخ: ۴۹۱/۱)

اور کہا آپ نے ساٹھ سال لوگوں کو فتوے دیئے۔ (تہذیب التہذیب: ۲۸۸/۵)

حافظ ابن عبدالبر الاندلسی لکھتے ہیں، آپ پرہیزگار اور صاحبِ علم تھے۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے آثار کی اتباع میں سب سے زیادہ عامل تھے۔ فتووں میں انتہائی جانچ پڑتال اور احتیاط فرماتے۔ زمنِ نبوی میں جہاد سے کبھی پیچھے نہیں رہے۔

(مفہوم: الاستیعاب: ۳۴۶/۲)

آپ کی سخاوت ضرب المثل ہے۔

ایک دفعہ آپ نے کہا: میرا جی آج مچھلی کھانے کو چاہتا ہے۔ آپ کے گھر والوں نے مچھلی پکا کر تیار کی اور آپ کے سامنے رکھ دی۔ اتنے میں ایک سائل آیا۔ آپ نے وہ مچھلی اسے دے دی۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۱۰۸/۴، واسنادہ صحیح)
ایک ہزار سے زیادہ غلاموں کو آپ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ (النبلاء: ۲۱۸،۹/۳ وقال: اسنادھا صحیح)
میمون بن مہران سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو لوگوں نے برا بھلا کہا: تو ان کی خدمت صحیح کیوں نہیں کرتی؟ وہ کہنے لگی: میں کیا کروں، ان کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کی بیوی نے ان مسکینوں کو جو راستہ میں بیٹھے تھے بلا بھیجا اور انہیں کھانا کھلا کر کہا: آج آپ لوگ اُن کے راستہ میں نہ بیٹھیں، اور دوسرے مسکینوں کے گھر پہلے ہی کھانا بھیج دیا اور کہہ دیا کہ: تمہیں اگر ابن عمر بلائیں تو نہ آئیں آپ گھر آئے اور ان کو بلا بھیجا تو وہ نہ آئے۔ آپ نے (اپنی بیوی سے) فرمایا: کیا تمہارا یہ ارادہ ہے کہ میں آج رات کا کھانا نہ کھاؤں؟ اس کے بعد آپ نے اس رات کھانا نہ کھایا۔ (ملخصاً: ابن سعد: ۱۶۶/۴، واسنادہ صحیح)
آپ عشاء کا کھانا اکیلے نہ کھاتے۔ (ابن سعد: ۱۵۸/۴، واسنادہ صحیح)
ایک دفعہ آپ بیمار تھے۔ آپ کے لئے انگور خریدے گئے۔ اتنے میں ایک سائل آیا تو آپ نے وہ انگور اسے دے دیئے۔
(ابن سعد ۱۵۸/۴ واسنادہ صحیح)
نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ کے لئے جوارش (چورن) لے آیا۔ آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اُس نے کہا: یہ کھانے کو ہضم کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں پورا مہینہ سیر ہو کر نہیں کھاتا، مجھے اس (چورن) کی کیا ضرورت ہے؟
(ابن سعد ۱۵۰/۴ وسندہ صحیح)
آپ کو جو چیز زیادہ پسند ہوتی اس کو اللہ کی راہ میں دے دیتے۔ (ابن سعد: ۱۶۶/۴، حلیۃ الاولیاء: ۲۹۵/۱ واسنادہ صحیح)
آپ بال کی کھال اتارنے کے سخت خلاف تھے۔ اس لئے واقع ہونے سے پہلے فرضی مسائل کا جواب ہی نہیں دیتے تھے۔ ایسے سوالات کے بارے میں آپ فرماتے: لا أدري ... یعنی میں نہیں جانتا۔ (المعرفۃ والتاریخ: ۴۹۰/۱ واسنادہ حسن)
ایک دفعہ ایک شخص کے سوال پر آپ نے فرمایا: لا أدري، کیا تمہارا یہ ارادہ ہے کہ جہنم میں ہماری پیٹھوں کا پل بنا کر کہو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ فتویٰ دیا تھا؟ (الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی: ۱۷۲/۲، واسنادہ حسن)
نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مسئلہ پوچھا تو انہوں نے سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہ دیا لوگ سمجھے کہ آپ نے سوال نہیں سنا۔ کہا گیا: اللہ آپ پر رحم کرے، کیا آپ نے سوال نہیں سنا؟ فرمایا: جی ہاں سنا ہے لیکن تمہارا کیا خیال ہے کیا اللہ تعالیٰ ہم سے نہیں پوچھے گا کہ تم لوگوں کو کیا مسئلے بتاتے تھے؟ ہمیں سوال سمجھنے دو، اگر ہمارے پاس جواب ہوا تو جواب دیں گے ورنہ کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں ہے۔
(ابن سعد: ۱۶۸/۴، وسندہ حسن)

ایک شخص نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حجرِ اسود کے چومنے کا پوچھا۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ اس کو ہاتھ لگاتے تھے اور چومتے تھے۔ اس شخص نے کہا: بھلا بتائیں اگر ہجوم ہو یا عاجز ہو جاؤں تو کیا کروں؟ انہوں نے کہا: یہ اگر مگر یمن میں جا کر رکھو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ حجرِ اسود کو ہاتھ لگاتے تھے اور چومتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الحج باب تقبیل الحجر: ۳/۴۷۳ ح ۱۶۱۱)

ایک دفعہ آپ سے وتر کا مسئلہ پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: وتر رات کے آخری حصہ میں ہوتا ہے۔ پوچھنے والے نے کچھ کہنا چاہا: أرایت أ رایت (یعنی اگر مگر) تو آپ نے فرمایا: اپنی اس اگر مگر کو اُس ستارے پر رکھو۔ آپ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا: رات کی نماز دو رکعت ہے اور وتر رات کی آخری ایک رکعت ہوتی ہے۔
(المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲/ ۲۶۴، واسنادہ حسن)

آپ کی اس سختی کی وجہ سے ان لوگوں کے منہ بند ہو گئے جو فرضی مسائل اور موشگافیوں میں سرگرداں تھے۔
آپ کی عظمت و جلالت و امامت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنانے کی کوشش کی مگر آپ نے صاف انکار کر دیا۔ آپ اختلاف اور فرقہ بندی کے سخت خلاف تھے جنگِ صفین اور جنگِ جمل میں غیر جانبدار رہے۔
ابوالعالیہ البراء بیان کرتے ہیں کہ: میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے چل رہا تھا اور انہیں معلوم نہیں تھا۔ آپ اپنے آپ سے کہہ رہے تھے: یہ لوگ اپنی تلواریں کندھوں پر رکھے ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ اپنا ہاتھ دو تا کہ ہم آپ کی بیعت کریں۔ (ابن سعد: ۴/ ۱۵۱، واسنادہ صحیح)
زید بن اسلم نے کہا: آپ فتنہ کے زمانہ میں ہر امیر کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے اور انہیں زکوٰۃ بھی ادا کرتے۔
(طبقات ابن سعد ۴/ ۱۴۹، واسنادہ صحیح)
آپ خشبیوں (مختار الثقفی کے ساتھیوں) اور خارجیوں کو بھی سلام کہتے۔ (النبلاء: ۳/ ۲۲۸ السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳/ ۱۲۲ و اسنادہ صحیح)
آپ سے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور خارجیوں و خشبیوں کے فتنہ کے متعلق پوچھا گیا: کیا آپ ان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں جو ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: جو شخص کہتا ہے آؤ نماز کی طرف، تو میں قبول کر لیتا ہوں اور جو کہتا ہے آؤ فلاح کی طرف، تو میں مان لیتا ہوں۔ لیکن جو شخص کہتا ہے کہ آؤ مسلم بھائی کو قتل کریں اور اس کا مال چھین لیں تو میں نہیں مانتا۔ (ابن سعد: ۱/ ۱۶۹، ۱۷۰، حلیۃ الاولیاء: ۱/ ۳۰۹ واسنادہ صحیح)
آپ حجاج بن یوسف کے پیچھے بھی نماز پڑھ لیتے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۳/ ۱۲۱، ۱۲۲، واسنادہ حسن)
آپ جس شخص کے پاس سے گزرتے اسے سلام کہتے اور فرماتے: میں گھر سے اسی لئے نکلتا ہوں کہ کسی کو سلام کروں یا مجھے کوئی سلام کرے۔ (ابن سعد: ۴/ ۱۵۶ واسنادہ حسن، نیز ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۳۸۶ ح ۱۹۴۴۲)
ایک صحابی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: آپ اپنی بیعت کیوں نہیں کروا لیتے؟ آپ امیر المومنین کے بیٹے

ہیں اور خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ انہوں نے فرمایا: کیا اس بات پر سارے لوگوں کا اجماع ہو گیا ہے؟ اس صحابی نے کہا: جی ہاں، تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر سب کا اجماع ہو گیا ہے۔ عبداللہ بن عمر نے فرمایا: ایک ہجر (ایک علاقہ) میں تین حبشی اس بات کے خلاف ہوئے تو مجھے خلافت کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ سائل نے پوچھا: اگر آپ کو جائیداد اور مال دیا جائے تو کیا خلافت پر بیعت کے لئے تیار ہو جائیں گے؟ فرمایا: دور ہو، نکل جا یہاں سے، پھر یہاں نہ آنا میرا دین تمہارے درہم و دینار کا محتاج نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں میں اس حالت میں دنیا سے سفر کروں کہ میرے ہاتھ صاف شفاف ہوں۔ (ابن سعد: ۱۶۴/۴، وسندہ صحیح)

آپ انتہائی سادہ لباس پہنتے، مونچھیں کٹواتے اور داڑھی کو زرد رنگ وغیرہ سے رنگتے۔ آپ کا ازار نصف پنڈلی تک ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے میں آپ پیش پیش رہتے۔ آپ نے اپنی انگوٹھی پر ''عبداللہ بن عمر'' لکھوا رکھا تھا۔ (ابن سعد: ۱۷۶/۴ ملخصاً وسندہ صحیح)

آپ مونچھیں (قینچی سے) اتنی باریک کرتے تھے کہ کھال نظر آنے لگتی تھی۔ (ابن سعد: ۱۷۷/۴، وسندہ صحیح)

عبیداللہ بن عمر بن میسرہ القواریری فرماتے ہیں کہ: ایک دن سفیان بن عیینہ (مشہور محدث) ہمارے پاس تشریف لائے آپ نے اپنی مونچھیں اُسترے سے منڈوا رکھی تھیں۔ (تاریخ ابن ابی خیثمہ ص ۳۷۸، ۳۷۹ ح ۳۸۷ وسندہ صحیح)

دوسرے دلائل کو مدِنظر پڑھتے ہوئے قینچی سے مونچھیں کٹوانا افضل ہے۔

ایک دفعہ ایک شامی نے آپ سے حج تمتع کا مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا: حلال ہے۔ اس شخص نے کہا: آپ کے والد بزرگوار (عمر رضی اللہ عنہ) نے تو اس سے منع کیا ہے۔

آپ نے فرمایا: تمہارا اس چیز کے بارے میں کیا خیال ہے جس کو میرے باپ نے منع کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اجازت فرمائی ہے؟ کیا میرے والد کی بات مانی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کی؟ شامی نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی بات مانی جائے گی۔ تو آپ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے تمتع کیا ہے یعنی اجازت دی ہے۔

(جامع ترمذی کتاب الحج: ۱۶۹/۱ ح ۸۲۴ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح)

نافع بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہما) مسجد نبوی میں (صبح کے وقت) بیٹھے رہتے تھے حتی کہ سورج بلند ہو جاتا اور آپ (چاشت کی) نماز نہ پڑھتے۔ پھر بازار جا کر اپنی ضروریات خریدتے پھر گھر آنے سے پہلے مسجد جا کر دو رکعتیں پڑھتے پھر اپنے گھر میں داخل ہوتے تھے۔ (ابن سعد: ۱۴۷/۴، وسندہ صحیح)

آپ چاشت کی نماز کو بدعت کہتے تھے۔ (صحیح بخاری ح: ۱۷۷۵، وصحیح مسلم، ح: ۱۲۵۵)

امام نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ جا رہے تھے۔ آپ نے بانسری کی آواز سنی تو اپنی انگلیاں کو اپنے کانوں میں دے دیں۔ یہ بانسری ایک چرواہے کی تھی اور راستہ سے ہٹ کر چلنے لگے اور کہنے لگے کہ اے نافع ! کیا (اب بھی)

آواز آرہی ہے؟ جب میں نے کہا کہ: نہیں آرہی ہے تو اپنے کانوں سے انگلیاں نکال دیں اور فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی طرح کیا تھا۔(صحیح ابن حبان، الموارد ح:۲۰۱۳ مسند احمد: ۳۸۲، واسنادہ صحیح وأعلہ ابوداود: ۴۹۲۴ والصواب خلافہ)

آپ سے اگر لغزش ہو جاتی تو فوراً رجوع کر لیتے۔ ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن ابی ہریرہ نے آپ سے پوچھا کہ: سمندر نے بہت سی مردہ مچھلیاں باہر پھینکی ہیں کیا ہم انہیں کھائیں؟ آپ نے فرمایا: نہ کھاؤ۔

جب عبدالرحمٰن چلے گئے تو آپ نے گھر آکر قرآن پاک نکالا اور سورہ مائدہ پڑھی۔ جب اس آیت پر پہنچے کہ ﴿ **احل لكم صيد البحر وطعامه** ﴾ تو نافع سے کہا: جاؤ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے کہو: یہ کھانا ہے اسے کھائے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (تفسیر ابن جریر: ۴۰/۷، واسنادہ صحیح)

یہ آپ کی عظمت کی دلیل ہے کہ فوراً اپنی لغزش سے رجوع کر لیا اور اس بات کا بے مثال و لازوال ثبوت چھوڑ گئے کہ قرآن وحدیث کے مقابلہ میں کسی شخص کا اجتہاد حجت نہیں ہے چاہے کہنے والا کتنا ہی عظیم الشان کیوں نہ ہو۔

آپ دن میں دو دفعہ تیل لگاتے۔ (ابن سعد: ۱۵۷/۴، واسنادہ صحیح)

آپ جمعہ کے دن تیل اور خوشبو لگا کر ہی مسجد کو (نماز کے لئے) جاتے تھے۔ (ابن سعد: ۱۵۲/۴، وسندہ صحیح)

آپ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر پوری طرح کاربند تھے۔

مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کو اپنے گھر والوں (یعنی بیوی وغیرھا) کو مسجد میں جانے سے منع نہیں کرنا چاہیے۔

آپ کے بیٹے نے کہا: ہم تو انہیں منع کریں گے۔ یہ سن کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے (غضبناک ہو کر) فرمایا: میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تو یہ کہہ رہا ہے؟ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے مرنے دم تک کلام نہیں کیا۔ (مسند احمد: ۳۶/۲، وسندہ صحیح)

آپ جب کسی شخص کو دیکھتے کہ رکوع سے پہلے اور بعد میں رفع الیدین نہیں کرتا تو آپ اس کو کنکریاں مارتے تھے۔ [حتی کہ وہ رفع یدین کرنے لگتا]۔

(مسند الحمیدی بتحقیقی ح: ۶۱۵، جزء رفع الیدین للبخاری ح: ۱۵، مسائل احمد بروایۃ عبداللہ بن احمد: ۲۳۷۱ واسنادہ صحیح)

قاسم بن محمد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس دیکھا آپ کندھوں کے برابر دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ (ابن سعد: ۱۶۲/۱، واسنادہ حسن)

آپ جنازے کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین للبخاری ح: ۱۱۰ وسندہ صحیح)

آپ حج اور عمرے میں ایک مشت سے زیادہ داڑھی کو کاٹ دیتے تھے۔ (صحیح البخاری ح: ۵۸۹۲)

مروان بن سالم المقفع بیان کرتے ہیں کہ: ''**رأيت ابن عمر يقبض على لحيته يقطع مازادت على الكف**''

میں نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا آپ ایک مشت سے زیادہ داڑھی کو کاٹ دیتے تھے۔
(سنن ابی داود ح: ۲۳۵۷ وسندہ حسن، وحسنہ الدارقطنی: ۱۸۲/۲ وصححہ الحاکم: ۴۲۲/۱ ووافقہ الذھبی)

نافع بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) جب حج یا عمرے میں سر منڈاتے تو اپنی داڑھی اور مونچھوں میں سے کچھ حصہ کاٹ دیتے تھے۔ (مؤطا امام مالک: ۳۹۶/۱ ح ۹۱۴، وسندہ صحیح)

آپ جب رمضان میں حج کا ارادہ کرتے تو حج سے فارغ ہونے تک، داڑھی اور سر کے بال نہیں کٹاتے تھے۔
(موطا امام مالک: ۳۹۶/۱ ح ۹۱۴ وسندہ صحیح)

امام مالک فرماتے ہیں کہ **لیس ذلك علی الناس** لوگوں پر یہ عمل ضروری نہیں ہے۔ (مؤطا: ص ۳۹۶)

ابن عمر اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما دعا کرتے تو دونوں ہتھیلیاں اپنے چہرے پر پھیرتے تھے۔ (الأدب المفرد: ۶۰۹، وسندہ حسن)

نافع بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ گھاس چارے والے کمرے میں، ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہا تھا تو ابن عمر (رضی اللہ عنہما) نے پوچھا: کیا میں نے تجھے دو کپڑے نہیں دیئے؟ میں (نافع) نے کہا: جی ہاں دیئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تجھے اس حالت میں مدینے کے بعض علاقے (مثلاً بازار) میں بھیج دوں تو چلے جاؤ گے؟ میں نے کہا: نہیں، تو انہوں نے فرمایا: پس کیا اللہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کے سامنے خوبصورتی اختیار کی جائے یا لوگ؟ پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ یا عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ: جس کے پاس دو کپڑے ہوں تو وہ ان میں نماز پڑھے اور جس کے پاس صرف ایک کپڑا ہو تو وہ اسے ازار بنا کر اور کندھوں پر ڈال کر نماز پڑھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۳۶/۲ وسندہ صحیح)

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے الأمر الأول (یعنی قرآن وحدیث) کی اتباع میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ (النبلاء ۲۰۸/۳)

مسند بقی بن مخلد میں آپ کی دو ہزار چھ سو تیس ۲۶۳۰ حدیثیں ہیں، ۸۱ صرف صحیح بخاری میں اور ۳۱ صرف صحیح مسلم میں ہیں (النبلاء: ۲۳۸/۳)

ابو الوازع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ سے کہا: جب تک آپ لوگوں میں ہیں، خیریت رہے گی۔ (یعنی لوگ آپ کی برکت سے خیر وعافیت کے ساتھ رہیں گے) تو آپ غضبناک ہو گئے اور فرمایا: میرا خیال ہے کہ تو عراقی ہے۔ تمہیں کیا خبر کہ تمہارا بھائی کس حالت پر دروازہ بند کرتا ہے۔ (یعنی اس کی خلوت کے بارے میں تمہیں کیا علم ہے؟)
(ابن سعد: ۱۶۱/۴ واسنادہ حسن)

یہ کسرِ نفسی کی اعلیٰ مثال ہے۔

ایک عراقی نے آپ سے مچھر کے خون کے بارے میں پوچھا، جو کپڑے کو لگ جاتا ہے تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی طرف دیکھو یہ مچھر کے خون کے بارے میں پوچھ رہا ہے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹے (یعنی نواسے حسین

رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ حسن اور حسین میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔
(جامع ترمذی:۲/۲۱۸ ح ۳۷۷۰ وقال: ھذا حدیث صحیح)

خالد بن سمیر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حجاج (بن یوسف) الفاسق نے منبر پر خطبہ دیا تو کہا: بے شک (عبداللہ) بن الزبیر نے قرآن میں تحریف کی ہے۔ تو (عبداللہ) بن عمر بولے: تو نے جھوٹ کہا، نہ وہ اس کی طاقت رکھتے تھے اور نہ تو اس (تحریف) کی طاقت رکھتا ہے۔ حجاج (غصے سے) بولا: چپ ہو جا اے بوڑھے تو سٹھیا گیا ہے اور تیری عقل چلی گئی ہے۔ (ابن سعد:۴/۱۸۴، وسندہ حسن)

آپ کی مرض وفات میں جب حجاج بن یوسف عیادت کے لئے آیا تو آپ نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور حجاج سے کوئی بات نہیں کی حتی کہ وہ چلا گیا۔ (ابن سعد:۴/۱۸۶ وسندہ صحیح، تاریخ دمشق:۳۳/۱۲۸، ۱۲۹)

آپ **ولدۃ الامور** (مسلمان حکمرانوں) کے خلاف خروج کے سخت مخالف تھے۔ آپ نے یزید بن معاویہ کی بیعت کی اور اس بیعت کو توڑنے سے انکار کر دیا۔ (دیکھئے صحیح البخاری ح:۷۱۱۱)

عبید بن جریج (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ: عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے کہا گیا: آپ چار ایسے کام کرتے ہیں جو دوسرے صحابہ نہیں کرتے۔ انہوں نے پوچھا: وہ کیا ہیں؟ عبید بن جریج نے کہا: آپ (طواف میں) صرف رکن یمانی کو ہی چھوتے ہیں۔ بغیر بالوں والے جوتے پہنتے ہیں، زرد خضاب لگاتے ہیں اور جب آپ مکہ میں ہوں تو آٹھ (۸) ذوالحجہ کو ہی حج کی لبیک کہتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ صرف یمانی رکنوں کو ہی چھوتے تھے آپ بغیر بالوں والے جوتے پہنتے تھے اور انہی میں وضو کرتے تھے اور میں اسے (آپ کی سنت کی وجہ سے) پسند کرتا ہوں۔ آپ زرد خضاب لگاتے تھے اور جب آپ کی سواری (حج کے لئے) چلتی تو لبیک کہتے تھے۔
(صحیح البخاری:۱۶۶ باب غسل الرجلین فی النعلین)

اس حدیث سے کئی مسئلے معلوم ہوئے۔

۱: ابن عمر رضی اللہ عنہما اتباع سنت کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔
۲: رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں حجتِ شرعیہ ہیں۔
۳: صحابہ کے زمانے میں کسی کام کا نہ ہونا، اگر اس کام کا ثبوت دوسری دلیل سے ہو، تو ترک یا منع کی دلیل نہیں ہوتا۔
۴: شاگرد کا استاد سے سوال کرنا، اس کی دلیل نہیں ہے کہ استاد کا عمل ضرور غلط ہے۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لو ترکنا ھذا الباب للنساء** اگر ہم یہ دروازہ عورتوں کے (داخلے کے) لئے چھوڑ دیں تو (بہتر ہے) نافع بیان کرتے ہیں کہ: عبداللہ بن عمر اپنی وفات تک (مسجد نبوی کے) اس دروازے سے کبھی داخل نہیں ہوتے۔ (سنن ابی داود: ح ۴۶۲، وسندہ صحیح)

اس روایت کے بارے میں حافظ ذھبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:
متفق علی صحته ، اس کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔(تاریخ الاسلام: ۴۵۹/۵)
جس دن آپ عشاء کی باجماعت نماز سے رہ جاتے تو ساری رات قیام کرتے تھے۔(تاریخ دمشق لابن عساکر: ۸۷/۳۳ وسندہ حسن)

آپ کو جو چیز زیادہ پسند ہوتی تو اسے اللہ کی راہ میں دے دیتے تھے۔ایک دفعہ آپ مدینے کی بعض نواحی بستیوں میں تشریف لے گئے،کھانے کا وقت ہوا تو آپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دسترخوان بچھا لیا، دیکھا کہ ایک چرواہا بکریاں چرا رہا ہے،اسے بلا کر فرمایا: ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ، وہ بولا: میرا روزہ ہے،آپ سخت حیران ہوئے: اتنی گرمی میں روزہ رکھتے ہو؟ وہ بولا: میں ان دنوں کو (مرنے کے بعد زندگی کے لئے) غنیمت سمجھتا ہوں،عبداللہ بن عمر نے اس کا امتحان لینے کے لئے پوچھا: ایک بکری ہمیں بیچ دو، وہ بولا: یہ بکریاں میری نہیں ہیں بلکہ مالک کی ہیں۔آپ نے (بطور امتحان) فرمایا: مالک کو کہہ دینا کہ بھیڑیا بکری کھا گیا ہے۔اس چرواہے نے جواب دیا: پھر اللہ کہاں ہے؟ یعنی اللہ دیکھ رہا ہے،آپ اتنے خوش ہوئے کہ اس غلام کو اس کے مالک سے خرید کر آزاد کر دیا اور بکریاں بھی خرید کر اس کے حوالے کر دیں۔(تاریخ دمشق ملخصاً: ۸۹/۳۳، وسندہ حسن)
زید بن اسلم کے والد اسلم بیان کرتے ہیں کہ:
(سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ سیرت پر عمل کرنے میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سب سے آگے تھے۔(ابن سعد: ۱۵۰/۴ وسندہ صحیح)
سعید بن مصعب فرماتے ہیں کہ: عبداللہ بن عمر اپنے والد عمر (رضی اللہ عنہما) کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔
(ابن سعد: ۱۴۵/۴ وسندہ صحیح)
وَبَرہ (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ: ایک آدمی نے ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے پوچھا: میں اگر حج کا احرام باندھ لوں تو بیت اللہ کا طواف کروں؟ انہوں نے فرمایا: تجھے طواف سے کس نے روکا ہے۔ اُس نے کہا فلاں آدمی اسے ناپسند کرتا ہے۔الخ تو ابن عمر نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نے حج کا احرام باندھا اور بیت اللہ کا طواف کیا صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔پس اللہ اور اس کے رسول کی سنت پر عمل، فلانے کی تابعداری سے زیادہ بہتر ہے اگر تو اپنی بات میں سچا ہے۔(صحیح مسلم ح ۱۲۳۳ ملخصاً)
ایک آدمی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: **ألا تغزو**، آپ جہاد کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: کلمہ شہادت، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے اور حج کعبہ۔(صحیح مسلم ح: ۱۶/۲۲)
امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ تہتر (۷۳ھ) کو فوت ہوئے۔(تاریخ بغداد: ۱۷۳/۱)
حافظ ذھبی وغیرہ کے بقول آپ کا انتقال چوہتر (۷۴ھ) کو ہوا۔رضی اللہ عنہ

ابوجابرعبداللہ دامانوی

سوال: شیطان اگر ہر جگہ آ کر لوگوں کو بہکا سکتا ہے تو کیا نبی ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہو سکتے ؟

الجواب بعون الوھاب

تمام دنیا کو بہکانے کے لئے ایک ہی شیطان متعین نہیں کیا گیا ہے بلکہ ہر انسان کے ساتھ جنوں میں سے ایک قرین (ساتھی) پیدا کیا جاتا ہے جو اسے زندگی بھر بہکاتا اور گمراہ کرتا ہے۔ جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْكُم مِنْ اَحَدٍ اِلّاوَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُه' مِنَ الْجِنِّ وَقَرِيْنُه' مِنَ الْمَلٰئِكَةِ قَالُوْا وَ اِيَّاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِيَّاىَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِي عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا يَأْ مُرُنِىْ اِلَّا بِخَيْرٍ

(صحيح مسلم كتاب صفات المنافقين باب تحريش الشيطان وبعله سر اياه الفتنة الناس وان مع كل انسان قرينا ۔حدیث نمبر: ۷۱۰۸ بحوالہ مشکوۃ المصابیح مسند احمد ۱/۳۸۵) مکمل تخریج کے لئے ملاحظہ فرمائیں: موسوعہ مسند (۶/۱۵۹ حدیث نمبر: ۳۶۴۸)

تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ جس کا ساتھی جنوں میں اور اس کا ساتھی ملائکہ میں سے مقرر نہیں کیا گیا ہو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے لئے بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں میرے لیے بھی مقرر کیا گیا ہے لیکن اللہ تعالی نے اس پر میری مدد کی ہے اور وہ مسلم ہوگیا ہے لہذا وہ مجھے سوائے بھلائی کے اور کسی چیز کا حکم نہیں دیتا'' اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ''ہر انسان کے ساتھ شیطان ہے'' (مسلم ایضاً)

قرآن میں ہے: ﴿قَالَ قَرِيْنُه' رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُه' وَلٰكِنْ كَانَ فِىْ ضَلَالٍ بَعِيْدٍ﴾ (ق:۲۷)

(قیامت کے دن) اس شخص کا ساتھی (شیطان) کہے گا ''ہمارے پروردگار میں نے اسے سرکش نہیں بنایا تھا بلکہ یہ خود دور تک کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا''

شیطان اعظم (ابلیس) اکیلا یہ کام نہیں کرتا بلکہ وہ دوسرے شیاطین کو اس مقصد لے لیے بھیجتا ہے تا کہ وہ لوگوں کو گمراہ کریں اور فتنہ میں مبتلا کریں۔ جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابلیس اپنا تختہ پانی کے اوپر بچھاتا ہے پھر اپنی فوجوں (شیاطین) کو حکم دیتا ہے کہ وہ لوگوں میں جا کر ان کو گمراہ کریں اور فتنہ میں ڈالیں۔ ابلیس کی اس جماعت میں ادنی سا شیطان وہ ہے جو انتہا درجہ کا فتنہ پرداز ہوتا ہے ان میں سے ایک شیطان واپس آ کر ابلیس سے کہتا ہے کہ میں نے ایسا ایسا کام کیا وہ کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا اس کے بعد ایک شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کا پیچھا اس وقت

تک نہیں چھوڑا جب تک کہ اس اور اس کی بیوی کے درمیان تفرقہ نہ ڈال دیا۔ آپ نے فرمایا: یہ سن کر ابلیس اس کو قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے بہت اچھا کام کیا۔ اعمش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ بھی کہے کہ ابلیس اسے سینہ سے لگا لیتا ہے۔ (صحیح مسلم ایضاً، مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان باب فی الوسوسۃ)

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ اکیلا ابلیس (شیطان اعظم) یہ سارا کام نہیں کرتا بلکہ اس کے رضا کار شیطان اور لشکر یہ کام سرانجام دیتے ہیں۔ لہذا سوال میں جو دعوی کیا گیا تھا وہی غلط ثابت ہوا۔

رہا یہ دعوی کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو یہ دعوی بھی قرآن اور احادیث رسول اللہ ﷺ کے سراسر خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نہ تو غیب کا علم جانتے تھے اور نہ ہی حاضر و ناظر تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کو جب اور جس وقت چاہا وحی کے ذریعے آگاہ فرما دیا اور جب تک وحی نازل نہ ہوتی تو آپ اس بات سے بالکل بے خبر رہتے تھے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّى مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَىَّ﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں (اللہ کے خزانوں کا مالک میں نہیں ہوں) اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف کی جاتی ہے۔ (الانعام آیت ۵۰)

اللہ تعالی نے آپ ﷺ سے علم غیب کی وحی فرما دی اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا کہ آپ صرف وحی کے تابعدار ہیں، وحی آ جانے کے بعد ہی آپ غیب کی خبر دیتے ہیں۔ لا اعلم مضارع کا صیغہ ہے یعنی میں غیب نہیں جانتا، میں غیب نہیں جانوں گا، یعنی میں نہ اب غیب جانتا ہوں اور نہ آئندہ جانوں گا، نیز اللہ کے خزانوں کا بھی میں مالک نہیں ہوں، میں گنج بخش نہیں ہوں اور نہ ہی میں نوری (فرشتہ) ہوں علم غیب صرف اور صرف خاصہ رب العالمین ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾
''آپ کہہ دیجئے کہ آسمان والوں اور زمین والوں میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ تعالی کے اور انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے'' (نمل آیت: ٦٥)

علم غیب کی نفی سے حاضر و ناظر کی بھی نفی ہو گئی البتہ حاضر و ناظر کے متعلق بھی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِىِّ اِذْ قَضَيْنَا اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِىْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ○ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾

(القصص آیات ۴۴ تا ۴۶)

''اور آپ طور کے مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ کی طرف) حکامات کی وحی نازل فرمائی تھی اور نہ ہی آپ شاھدین (اس واقعہ کے دیکھنے والوں) میں سے تھے۔لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں جن پر لمبی مدتیں گزر گئیں اور نہ تو مدین کے رہنے والوں میں سے تھا کہ ان کے سامنے ہماری آیتوں کو تلاوت کرتا بلکہ ہم ہی رسولوں کے بھیجنے والے ہیں اور نہ تو طور کی طرف تھا جب کہ ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کو) آواز دی بلکہ یہ تیرے رب کی طرف سے ایک رحمت ہے اس لئے کہ ان لوگوں کو ہوشیار کر دے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کریں''

آپ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے گزشتہ کے واقعات آپ کو بذریعہ وحی بتا دیئے ہیں ورنہ ان واقعات کے ظہور کے وقت آپ ان مقامات پر موجود نہیں تھے۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ (الانفال:۳۳)

''اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ (شرک وکفر سے) توبہ واستغفار کرتے ہوں''

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے لوگوں پر عذاب نہیں آسکتا۔اب چونکہ آپ موجود نہیں ہیں اس لئے طرح طرح کے عذاب نازل ہو رہے ہیں۔

﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ﴾ ''اور جب آپ ان میں موجود ہوں تو انہیں نماز پڑھائیں'' (النساء آیت:۱۰۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ جب موجود ہوں تو آپ ہی لوگوں کو نماز پڑھائیں گے اور اب چونکہ آپ موجود نہیں ہیں اس لئے دوسرے امام لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں مزید حوالہ جات کے لئے ملاحظہ فرمائیں، یوسف آیت:۱۰۲، ھود آیت:۴۹، آل عمران آیت:۴۴ وغیرہ

اگر رسول اللہ ﷺ کو حاضر و ناظر مان لیا جائے تو پھر معراج اور ہجرت کے تمام واقعات باطل قرار پاتے ہیں۔معراج میں نبی ﷺ مکہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے (دیکھئے سورۃ بنی اسرائیل آیت:۱) اور پھر آپ زمین سے آسمان اور سدرۃ المنتھی تک تشریف لے گئے۔(دیکھئے سورۃ النجم آیات:۱۳تا۱۸)

یعنی جب آپ مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے تو پھر آپ مکہ میں موجود نہ تھے اور جب آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو زمین پر موجود نہ تھے، اسی طرح جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ مکہ مکرمہ میں موجود نہ تھے حالانکہ مشرکین مکہ آپ کو سرگرمی سے تلاش کر رہے تھے معلوم ہوا کہ حاضر و ناظر کا عقیدہ اہل اسلام کا نہیں بلکہ چودھویں صدی کے مشرکین کا ایجاد کردہ ہے۔ **ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب**

(تنبیہ: شیطان مردود کے علم وغیرہ کا ذکر، نبی ﷺ کے ساتھ کرنا، آپ ﷺ کی گستاخی ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کی گستاخی سے ہر مسلمان کو بچائے، آمین)

قسط دوم: نزول مسیح

ادراج کی بحث: بعض اشخاص نے لکھا ہے: ''زہری کی عادت ادراج کی بھی تھی'' ''ادراج'' کہتے ہیں حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کے ساتھ اپنے الفاظ ملا دینے کو یعنی حدیث میں اپنی طرف سے کچھ الفاظ درج کر دینا'' (نزول مسیح کا تصور: ص۱۲۰) حالانکہ ائمہ محدثین نے ادراج کو راوی کی عدالت میں کبھی جرح قرار نہیں دیا ادراج کی تعریف میں اصول حدیث کے ایک زبردست امام اور جید محقق ابن الصلاح فرماتے ہیں:

" معرفة اقسام منها ما أدرج في حديث رسول الله ﷺ من كلام بعض رواته بأن يذكر الصحابي أو من بعده عقيب ما يرويه من الحديث كلاماً من عند نفسه فيرويه من بعده موصولاً با لحديث غير فاصل بينهما بذكر قائله فيلتبس الأمر فيه على من لا يعلم حقيقة الحال ويتوهم أن الجميع عن رسول الله ﷺ "

اسکی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے وہ بھی ہے جو حدیث رسول میں بعض راویوں کا کلام درج ہو جائے، وہ اس طرح کہ کوئی صحابی یا جو اس سے نیچے ہے اپنی طرف سے اس حدیث میں کوئی کلام (بطور تفسیر) ذکر کرے، جسے وہ روایت کر رہا ہے تو بعد کا راوی اسے حدیث کے ساتھ ملا کر (موصول) روایت کر دے، اور قائل کے کلام کو جدا نہ کرے (اس شخص پر) جو حقیقت حال سے بے خبر ہے، معاملہ مشتبہ ہو جائے اور اسے یہ وہم ہو کہ یہ سب کچھ نبی ﷺ کی حدیث میں ہے۔ (مقدمہ: ص۱۲۷)

معلوم ہوا کہ راوی کی غلطی نہیں ہوتی، وہ حدیث کی شرح و تفسیر میں کچھ کلام عرض کرتا ہے، جسے بعد کا راوی اصل بات سے بے خبری کی وجہ سے متنِ حدیث میں درج کر دیتا ہے۔ محدثین کرام پر اللہ تعالیٰ کی ان گنت، بے شمار رحمتیں ہوں انہوں نے انتہائی باریک بینی اور غیر جانبداری سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا کر دیا ہے، اور عدل و انصاف کی میزان ہاتھ میں لے کر اپنی لاجواب تحقیقات سے یہ واضح کر دیا ہے، کہ یہ متصل، یہ منقطع، یہ محفوظ اور یہ شاذ ہے، یہ سالم من الادراج اور یہ مدرج ہے، وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین۔

مدرج کے موضوع پر متعدد علماء نے کتابیں لکھی ہیں، مثلاً خطیب بغدادی کی " **الفصل للوصل فی مدرج النقل** " (اس کے قلمی نسخے کی فوٹوسٹیٹ میں نے دیکھی ہے) حافظ ابن حجر کی ''تقریب المنہج بترتیب المدرج'' اور جلال الدین السیوطی کی ''المدرج إلی المدرج'' (یہ ہماری لائبریری میں موجود ہے)

اب ان علماء کے نام لکھتا ہوں جنہوں نے کسی حدیث کی تشریح میں کوئی کلمہ کہا، اور بعد کے راویوں نے متن میں درج کر دیا۔

۱: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۲۸، المدرج إلی المدرج ص ۱۱)

۲: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (المدرج إلی المدرج ص ۱۸، ۲۱)

۳: سالم بن ابی الجعد (المدرج ص ۴۶)

کیا انہیں بھی مجروح قرار دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں اسی طرح اس نام نہاد جرح سے امام زہری بری ہیں۔

حافظ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں:

'' **والأصل عدم الأدارج ولا یثبت إلا بدلیل** '' اور اصل علومِ ادراج کا دعوی دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔ (فتح الباری: ۷/۳۱۱)

خلاصہ: مختصر یہ کہ امام زہری جلیل القدر سنی عالم، مشہور تابعی، ثقہ حجت تھے، ان کی روایت اعلیٰ درجہ کی صحیح ہوتی ہے گولڈز یہر یہودی اور اس کے مقلدین کی خود ساختہ جروح قطعاً مردود ہیں، بلکہ منکرین رسالت کی ان جروح سے امام زہری کی شان اور زیادہ بلند ہو جاتی ہے، اس ولی من اولیاء پر اللہ کی لاکھوں کروڑوں رحمتیں ہوں۔ رحمہ اللہ

امام زہری سے نزول مسیح کی یہ حدیث جن شاگردوں نے سنی ان کا (ص ۶) پر ذکر کیا جا چکا ہے، اب ان روایات کا مختصر تذکرہ پیش خدمت ہے۔

۱: **لیث بن سعد:** آپ صحاح ستہ کے راوی اور '' ثقہ، ثبت، فقیہ، امام مشہور'' تھے (تقریب: ۵۶۸۴) آپ سے یہ حدیث درج ذیل علماء نے بیان کی ہے۔

ا: یحیی بن بکیر (السنن الکبری للبیہقی: ۱/۲۴۴)

ب: ہاشم (مسند احمد: ۲/۵۳۸)

ج: یزید بن موہب (صحیح ابن حبان: ۶۷۷۹)

د: احمد بن سلمہ (السنن الکبری للبیہقی: ۱/۲۴۴)

ھ: قتیبہ بن سعید (صحیح بخاری: ۲۲۲۲، صحیح مسلم: ۱۵۵، سنن ترمذی: ۲۲۳۳، الایمان لابن مندہ: ۴۰۷، من طریق النسائی عنہ)

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں قتیبہ بن سعید کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

" **والذی نفسی بیدہ لیوشکن أن ینزل فیکم ابن مریم حکماً مقسطاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیة ویفیض المال حتی لا یقبلہ أحد** "

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ضرور عنقریب تم میں ابن مریم حاکم، عادل بن کر نازل ہوں گے پس

وہ صلیب توڑ دیں گے اور مال کو بہادیں گے حتی کہ اسے کوئی بھی قبول نہیں کرے گا۔
امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: " **هذا حديث حسن صحيح** "
و: **محمد بن رمح** (صحیح مسلم:۱۵۵)

۲: **سفیان بن عیینہ:** آپ سے درج ذیل علماء نے یہ حدیث انتہائی معمولی اختلاف کے ساتھ بیان کی ہے۔

الف: علی بن عبداللہ المدینی (صحیح بخاری:۲۳۴۴) اس کے شروع میں " **لا تقوم الساعة** " کے الفاظ زیادہ ہیں۔
ب: زہیر بن حرب (صحیح مسلم:۱۵۵)
ج: ابوبکر بن ابی شیبہ (المصنف:۱۵/۱۴۴، وعنہ ابن ماجہ:۴۰۷۸)
د: عبدالاعلی بن حماد (صحیح مسلم:۱۵۵)
ھ: عمرو الناقد (مسند ابی یعلی الموصلی:۵۸۷۷)
و: احمد بن حنبل (فی مسندہ:۲/۲۴۰)
ز: ابن ابی عمر (الشریعہ للآجری ص۳۸۱)
ح: الحمیدی (المستخرج علی صحیح مسلم لأبی عوانہ:۱/۱۰۵)
(دیکھئے السنن الکبری للبیہقی:۶/۱۰۱)

۳: **صالح بن کیسان المدنی:** (دیکھئے تحفۃ الاشراف للحافظ المزی:۱۰/۲۶، ۲۷)

آپ صحاح ستہ کے راوی ''ثقہ ثبت فقیہ'' تھے (تقریب:۲۸۸۴) امام زہری آپ کے استاد ہیں۔ (تہذیب الکمال:۹/۴۷) اور ابراہیم بن سعد الزہری ان کے شاگرد ہیں (تہذیب الکمال للحافظ المزی:۹/۴۷) آپ سے ابراہیم الزہری نے اور ان سے یعقوب بن ابراہیم نے یہ حدیث سنی، یعقوب بن ابراہیم سے اسحاق نے (صحیح بخاری:۳۴۴۸) عبد بن حمید، حسن الحلوانی (صحیح مسلم:۳۹۰/۱۵۵) ابوداود الحرانی (صحیح ابی عوانہ:۱/۱۰۵) اور محمد بن یحیی الذہلی (السنن الکبری للبیہقی:۹/۱۸۰) نے یہ حدیث بیان کی، بخاری وغیرہ میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔

" **وحتى تكون السجدة الواحدة خيراً من الدنيا وما فيها ثم يقول أبو هريره :اقرؤا إن شئتم وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته الآية** "

یہاں تک کہ (ان کے نزدیک) ایک وقت کا سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا، پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر (تصدیق) چاہتے ہو تو پڑھو: ''اور کوئی اہلِ کتاب ایسا نہیں ہوگا جو عیسی کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے''
بعض لوگوں نے پوچھا ہے کہ امام بخاری کا استاد ''اسحاق'' کون ہیں، تو عرض ہے کہ وہ اسحاق بن راھویہ ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وقد أخرج أبو نعيم في المستخرج هذا الحديث من مسند إسحاق بن راهويه وقال:
أخرجه البخاري عن إسحاق "

اور ابونعیم (اصبہانی) نے مستخرج (علی صحیح البخاری) میں یہ حدیث مسند اسحاق بن راہویہ سے روایت کی ہے اور کہا: اسے بخاری نے اسحاق سے روایت کیا ہے۔ (فتح الباری ط ۱۳۴۸ھ: ۳۸۲/۶)

دوسرے یہ کہ عبد بن حمید وغیرہ نے اسحاق کی متابعت کر رکھی ہے لہذا ان پر اعتراض ہر لحاظ سے مردود ہے۔

۴: معمر (مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۴۰ وعنہ احمد فی مسندہ: ۲۷۲/۲)

۵: یونس بن یزید (صحیح مسلم: ۱۵۵، الایمان لابن مندہ: ۴۱۱)

۶: ابن جریج (صحیح ابی عوانہ: ۱۰۴/۱)

۷: اوزاعی (ابوعوانہ: ۱۰۵/۱، مشکل الآثار للطحاوی: ۲۷/۱)

۸: عبدالعزیز بن عبداللہ ابی سلمہ الماجشون (مسند علی بن الجعد: ۲۸۶۷ وعنہ البغوی فی شرح السنہ: ۸۰/۱۵ وقال: هذا حديث متفق على صحته)

۹: ابن ابی ذئب (مسند ابی داود الطیالسی: ۲۲۹۷، مشکل الآثار: ۲۸/۱)

مختصر یہ کہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

(۲) نافع مولی ابی قتادہ الانصاری: آپ صحاح ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں (تقریب التہذیب: ۷۰۷۴)

آپ سے یہ حدیث امام زہری نے بیان کی ہے، ان کا تذکرہ گزر چکا ہے، آپ سے یہ حدیث درج ذیل علماء نے سن کر آگے بیان کی ہے۔

الف: یونس (بن یزید الایلی) آپ جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں اور صحاح ستہ کے راوی ہیں، آپ کی روایت صحیح بخاری: ۳۴۴۹، صحیح مسلم: ۱۵۵، کتاب الایمان لابن مندہ: ۴۱۴، شرح السنہ للبغوی: ۸۲/۱۵ وغیرہ میں ہے۔

ب: معمر (مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۴۱ وعنہ احمد: ۲۷۲/۲ وابن مندہ فی الایمان: ۴۱۵)

ج: عقیل (کتاب الایمان لابن مندہ: ۴۱۶ وعنہ ابن حجر فی تغلیق التعلیق: ۴۰/۴)

د: اوزاعی (الایمان لابن مندہ: ۴۱۳ وعنہ ابن حجر فی تغلیق التعلیق: ۴۰/۴، البعث للبیہقی کمافی فتح الباری: ۳۸۵/۶، معجم ابن الاعرابی کمافی تغلیق التعلیق صحیح ابن حبان: ۶۷۶۴، صحیح ابن عوانہ: ۱۰۶/۱)

ھ: ابن اخی الزہری (صحیح مسلم: ۱۵۵)

و: ابن ابی ذئب (صحیح مسلم: ۱۵۵/۲۴۶، مسند احمد: ۳۳۶/۲، صحیح ابن عوانہ: ۱۰۶/۱)

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں یونس بن یزید کی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

" کیف أنتم إذا نزل ابن مریم فیکم وإمامکم منکم "

تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب عیسیٰ بن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے (ہی) ہوگا۔

کتاب الاسماء والصفات للبیہقی میں یونس کی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

" کیف أنتم إذا نزل ابن مریم من السماء فیکم وإما مکم منکم "

تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب ابن مریم آسمان میں سے اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔

(ص ۵۳۵ وفی نسخہ اخری ص ۴۲۴)

یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں اور ان میں کوئی تعارض نہیں ہے ''من السماء'' کے اور شواہد بھی ہیں جو آگے آرہے ہیں۔ (دیکھئے ص ☆☆☆) امام بغوی نے بخاری کی حدیث کے بارے میں شرح السنہ میں فرمایا ہے:

" ھذا حدیث متفق علی صحتہ "

ایک اہم بات......: امام بیہقی مستقل مخرج حدیث ہیں، اور ان کی بیان کردہ یہ سند صحیح ہے، لہذا ان کی زیادت مقبول ہے، کیونکہ ثقہ کی زیادت اگر ثقات یا اوثق کے خلاف نہ ہو تو مقبول ہوتی ہے (دیکھئے الکفایہ فی علم الروایہ ص ۴۲۴-۴۲۹ للخطیب البغدادی) اور اگر امام بیہقی کہیں کہ ''رواہ البخاری'' تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کی اصل صحیح بخاری میں موجود ہے (دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۱ مع شرح العراقی)

(۳) عطاء بن میناء مولی ابن ابی ذباب: آپ صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام العجلی نے کہا: ''(مدنی) تابعی ثقہ'' (تاریخ الثقات: ۱۱۳۳) امام ابن حبان نے آپ کی توثیق کی، بعض علماء نے آپ کو صدوق اور بعض نے **کان من أصلح الناس** قرار دیا۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب: ۷/۱۹۳) لہذا آپ ثقہ وصدوق ہیں۔ آپ سے سعید بن ابی سعد المقبری اور ان سے لیث بن سعد اور ابن اسحاق نے یہ روایت بیان کی ہے۔

الف: لیث بن سعد: (صحیح مسلم: ۱۵۵، صحیح ابن حبان: ۶۷۷۷، الشریعہ للآجری ص ۳۸۰، مشکل الآثار: ۱/۲۸)

صحیح مسلم میں اس حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

" واللہ لینزلن ابن مریم حکماً عادلاً فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر ولیضعن الجزیة ولتترکن القلاص فلا یسعی علیھا ولتذھبن الشحناء والتبا غض والتحاسد ولیدعون إلی المال فلا یقبلہ أحد "

اللہ کی قسم ابن مریم ضرور نازل ہوں گے، وہ عدل کرنے والے حاکم ہوں گے، صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے، جوان اونٹوں کو چھوڑ دیا جائے گا تو پھر کوئی ان سے بار برداری کا کام نہ لے گا، اور لوگوں

کے دلوں سے عداوت، بغض اور حسد ختم ہو جائے گا اور مال دینے کے لئے بلائیں گے تو کوئی بھی مال قبول نہ کرے گا۔
ب: محمد بن اسحاق: (المستدرک للحاکم: ۲/۵۹۵) اس کی سند محمد بن اسحاق کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۴) **سعید بن المقبری:** امام ابو یعلی الموصلی نے کہا:

" حدثنا أحمد بن عيسى حدثنا ابن وهب عن أبي صخر أن سعيداً المقبري أخبره أنه سمع أبا هريره يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: والذى نفس أبي القاسم بيده لينزلن عيسى بن مريم إماماً مقسطاً وحكماً عدلاً فليكسرن اتصليب وليقتلن الخنزير وليصلحن ذات البين وليذهبن الشحناء وليعرضن عليه المال فلا يقبله ثم لئن قام على قبرى فقال: يا محمد لأجيبنه "

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوالقاسم کی جان ہے، عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) ضرور امام منصف اور حاکم عادل بن کر نازل ہوں گے، پس آپ صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو ہلاک کر دیں گے اور ایک دوسرے سے ناراض باہم صلح کر لیں گے، اور عداوت ختم ہو جائے گی اور اس پر مال پیش کریں گے تو وہ اسے قبول نہیں کرے گا، پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑا ہوا اور کہا: اے محمد (ﷺ) تو میں (بطورِ معجزہ) ضرور اس کا جواب دوں گا۔
(مسند ابی یعلیٰ: ۱۱/۴۶۲ ح ۶۵۸۴)

اس کی سند حسن ہے اور اس کے تمام راوی جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں۔

(۵) **حنظلہ بن علی الاسلمی:** آپ صحیح مسلم وغیرہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (تقریب: ۱۵۸۴) آپ سے نزولِ مسیح کی حدیث امام زہری نے اور ان سے ایک جماعت مثلاً سفیان بن عیینہ، لیث، معمر، اوزاعی، یونس وغیرہم نے بیان کی ہے دیکھئے صحیح مسلم (۱۲۵۲) مسند احمد (۲/۵۴۰، ۲۴۰) تفسیر ابن جریر (۳/۲۰۴) مسند علی بن الجعد (۲۸۸۸) مسند الحمیدی (نسخہ دیوبندیہ: ۱۰۰۵) الایمان لابن مندہ (۴۱۹) صحیح ابن حبان (۶۷۸۱) مصنف عبدالرزاق (۲۰۸۴۲) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵/۱۴۴)
مسند حمیدی میں زہری کے سماع کی تصریح موجود ہے۔ صحیح مسلم میں سفیان بن عیینہ کی زہری سے روایت کا متن یہ ہے:

" عن النبي ﷺ قال: والذى نفسي بيده، لِيُهِلَّن ابن مريم بفج الروحاء حاجاً أو معتمراً أو ليثنينّهما "

نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، بلاشبہ ابن ابی مریم روحاء کی گھاٹی میں حج یا عمرہ یا دونوں کی لبیک کہیں گے۔

مسند احمد: ۲/۲۹۰ میں صحیح سند کے ساتھ درج ذیل الفاظ زیادہ ہیں:

" قال وتلا أبو هريرة: وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة يكون

علیھم شھیداً، فزعم حنظلة إن أبا ھریرة قال :یؤمن به قبل موته :عیسی ، فلا أدري
ھذا کله حدیث النبي ﷺ أوشيء قاله أبو ھریرة "

فرمایا: پھرابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے آیت پڑھی،اور (نزولِ مسیح کے بعد) تمام اہلِ کتاب (ابن مریم) کی موت سے پہلے ضروران پرایمان لائیں گے،اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے،پس حنظلہ نے گمان کیا: بے شک ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: کہ وہ عیسی (علیہا السلام) کی موت سے پہلے ایمان لائے گا (لیکن) مجھے معلوم نہیں کہ یہ سارا متن حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا کچھ (ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) کا کلام ہے۔ (مسند احمد:۲/۲۹۰،۲۹۱ح ۷۸۹۰)

(٦) **عبدالرحمن بن آدم:** آپ صحیح مسلم کے راوی اور صدوق ہیں۔(تقریب:۳۷۹۶) آپ سے قتادہ نے یہ حدیث بیان کی،مسند احمد میں آپ نے عبدالرحمن بن آدم سے سماع کی تصریح کررکھی ہے۔

یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں ہے۔

مسند احمد (۲/۴۰۶، ۴۳۷) سنن ابی داود (۴۳۲۴) مصنف ابن ابی شیبہ (ط جدیدہ ۶/۴۹۹ ح ۳۷۵۲۶) صحیح ابن حبان (۶۷۷۵، ۶۷۸۲) مسند ابی داود الطیالسی (۲۵۷۵) تفسیر ابن جریر (۳/۲۰۴) مستدرک الحاکم (۲/۵۹۵) وغیرہ۔امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا۔

حدیث کا متن:

" الأنبیاء (کلھم) إخوة لعلات دینھم واحد وأمھا تھم شتی وأنا أولی الناس بعیسی ابن مریم لأنه لم یکن بیني وبینه نبي وإنه نازل فإذا رأیتموہ فاعرفوہ فانه رجل مربوع إلی الحمرة والبیاض سبط کأن رأسه یقطر وإن لم یصبه بلل بین ممصرتین فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیة ویعطل الملل حتی یھلك الله في زمانه الملل کلھا غیر الإسلام ویھلك الله في زمانه المسیح الدجال الکذاب وتقع الأمنة في الأرض حتی ترتع الإبل مع الأسد جمیعاً والنمور مع البقر والذئاب مع الغنم ویلعب الصبیان أوالغلمان بالحیات لا یضر بعضھم بعضاً فیمکث ما شاء الله أن یمکث ثم یتوفي فیصلی علیه المسلمون ویدفنونه "

(تمام) انبیاء علاتی بھائی ہیں،ان کا دین ایک ہے۔اور مائیں (شریعتیں) انکی جدا جدا ہیں،اور لوگوں میں سب سے زیادہ میں عیسی بن مریم کے نزدیک ہوں ، کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور بے شک وہ نازل ہونے والے ہیں،پس جب تم ان کو دیکھ لو تو پہچان لینا،وہ ایک درمیانے قد کے سرخ وسفید رنگت والے آدمی ہیں،ان

کے بال سیدھے ہیں، گویا ابھی ان سے پانی ٹپکنے والا ہے، حالانکہ وہ بھیگے ہوئے نہ ہوں گے، اور وہ دو زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے (وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے) پس وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیہ کو ختم کر دیں گے اور ملتیں (مذاہبِ عالم) معطل ہو جائیں گے، یہاں تک کہ ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا ساری ملتوں (مذہبوں) کو ہلاک (ختم) کر دے گا اور دجال اکبر، کذاب بھی انہی کے زمانے میں ہلاک ہو جائے گا، زمین میں امن واقع ہو جائے گا حتی کہ اونٹ شیر کے ساتھ، چیتے اور گائیں، بھیڑیے اور بکریاں اکٹھا چریں گے، اور بچے یا لڑکے، سانپوں سے کھیلیں گے، لیکن ایک دوسرے کو کچھ نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اللہ جتنا چاہے گا وہ (عیسی بن مریم زندہ) رہیں گے پھر وہ وفات پا جائیں گے پس مسلمین (مسلمان) ان پر نماز جنازہ پڑھیں گے اور انہیں دفن کر دیں گے۔ (علیہ الصلوۃ والسلام) (مسند احمد: ۲/۴۳۷ ح ۹۶۳۰، صحیح ابن حبان: ۶۷۸۲، والزیادۃ منہ) اس حدیث کی مزید تحقیق میں نے اپنی کتاب ''تخریج کتاب النہایہ فی الفتن والملاحم'' ص ۱۴۱ ح ۳۳۳ میں تفصیل کے ساتھ کی ہے، یہ کتاب عربی میں ہے اور ابھی تک طبع نہیں ہوئی، **اللهم يسر لنا طبعه**

(۷) عبدالرحمٰن بن ابی عمرۃ: آپ صحاح ستہ کے راوی ہیں، ابن حبان نے آپ کی توثیق کی ہے اور ابن سعد نے کہا: ''**كان ثقة كثير الحديث**'' (تہذیب التہذیب: ۶/۲۱۹، ۲۲۰) امام احمد بن حنبل نے حسن سند کے ساتھ ان سے عبدالرحمٰن بن آدم کی حدیث کا ایک قطعہ روایت کیا ہے:

'' أنا أولى الناس بعيسى بن مريم في الدنيا والآخرة الأنبياء إخوة من علات، أمهاتهم شتى ودينهم واحد ''

میں عیسی بن مریم (علیہما السلام) کے ساتھ دنیا و آخرت میں سب لوگوں سے زیادہ قریب ہوں، انبیاء علاتی بھائی ہیں ان کی شریعتیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔

(۸) ولید بن رباح: آپ سنن ابی داود وغیرہ کے راوی ہیں۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے ابوحاتم نے کہا: صالح اور بخاری نے کہا: حسن الحدیث (تہذیب التہذیب: ۱۱/۱۱۷) ابن حجر نے کہا: صدوق (تقریب: ۷۴۲۲) اور حافظ ذہبی نے کہا: صدوق (الکاشف: ۳/۲۰۹) ولید سے کثیر بن زید الاسلمی نے اور کثیر سے ابواحمد الزبیری نے اور ان سے احمد بن حنبل نے یہ حدیث بیان کی ہے، کثیر بن زید: مختلف فیہ راوی ہے لیکن جمہور محدثین نے اس کی توثیق کی ہے لہذا وہ حسن الحدیث ہے۔ پس یہ سند حسن لذاتہ ہے۔

،حدیث کا متن درج ذیل ہے:

''يوشك المسيح عيسى بن مريم أن ينزل حكماً قسطاً وإماماً عدلاً فيقتل الخنزير ويكسر الصليب ...... ''

قریب ہے کہ عیسی بن مریم (علیہا السلام) حاکم منصف اور امام عادل کی حیثیت سے نازل ہو جائیں، پس آپ خنزیر کو قتل کر دیں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے......الخ'' (مسند احمد:۳۹۴/۲ ح ۹۱۱۰)

(۹) محمد بن سیرین: آپ صحاح ستہ کے مرکزی راوی اور ''ثقہ ثبت عابد کبیر القدر'' ہیں (تقریب:۵۹۴۷) آپ روایت بالمعنی کے قائل نہیں تھے، یہ موقف آپ کی کمال احتیاط کا ثبوت ہے، ورنہ صحیح یہ ہے کہ روایت بالمعنی بھی جائز ہے، (کما هو المبسوط فی کتب الاصول وغیرها) آپ سے درج ذیل اشخاص نے یہ حدیث بیان کی۔

الف: سلیمان بن ابی سلیمان (الکامل لابن عدی:۱۱۱۱/۳)
ب: ابن عون (المعجم الصغیر للطبرانی:۳۴/۱، المعجم الاوسط:۱۸۳/۲ ح ۱۳۳۱)
ج: هشام بن حسان (مسند احمد:۴۱۱/۲ ح ۹۳۱۲، واسنادہ صحیح علی شرط الشیخین)

ہشام کی روایت کا متن:

''عن النبي ﷺ قال :يوشك من عاش منكم أن يلقى عيسى بن مريم إماماً مهدياً وحكماً عدلاً فيكسر الصليب و يقتل الخنزير ويضع الجزية وتضع الحرب أوزارها ''

نبی ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ تم میں سے جو زندہ رہے، عیسی بن مریم (علیہا السلام) سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ امام مہدی اور حاکم عادل ہوں، پس آپ صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے اور جنگ ختم ہو جائے گی۔ (۴۱۱/۲ ح ۹۳۱۲)

(۱۰) زیاد بن سعد: آپ کو ابن حبان نے کتاب الثقات (ج۴ ص ۲۵۵) امام بخاری نے (التاریخ الکبیر :۳۵/۳) اور ابن ابی حاتم نے (الجرح والتعدیل :۵۳۳/۳) میں اسے ذکر کیا ہے، اور جرح یا تعدیل کچھ بھی نہیں لائے، حافظ ابن کثیر نے اس کی درج ذیل حدیث کے بارے میں کہا:

'' تفرد به أحمد وإسناده جيد قوي صالح '' (النھایہ فی الفتن والملاحم:۱۸۵/۱)

زیاد کی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

" ينزل عيسى بن مريم إماماً عادلاً وحكماً مقسطاً فيكسر الصليب ويقتل الخنزير و يرجع السلم ويتخذ السيوف مناجل و تذهب حمة كل ذات حمة و تنزل السماء رزقها و تخرج الأرض بركتها حتى يلعب الصبى بالثعبان فلا يضره ويراعى الغنم الذئب فلا يضرها ويراعى الأسد البقر فلا يضرها ''

عیسی بن مریم (علیہا السلام) امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے نازل ہوں گے، آپ صلیب توڑیں گے، آپ

خنزیر کو قتل کر دیں گے۔ اور سلامتی کا دور دورہ ہوگا، اور تلواروں کی درانتیاں بنالی جائیں گی، اور ہر خواہش کرنے والے کی خواہش ختم ہو جائے گی، اور آسمان اپنا رزق اتارے گا اور زمین اپنی برکتیں نکال دے گی، یہاں تک کہ چھوٹا بچہ اژدھا کے ساتھ کھیلے گا اور وہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گا، اور بھیڑیں، بھیڑیا کے ساتھ اکٹھی چریں گی، اور وہ انہیں نقصان نہ پہنچائے گا، اور شیر، گائے کے ساتھ چرے گا، وہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔

(مسند احمد: ۲/۴۸۲، ۴۸۳ واللفظ لہ، التاریخ الکبیر للبخاری: ۳/۳۵۷)

(۱۱) کلیب بن شہاب : آپ سنن اربعہ کے راوی اور صدوق ہیں۔ (تقریب: ۵۶۶۰)

امام ابو بکر البزار نے کہا:

" حدثنا علي بن المنذر ثنا محمد بن فضيل عن عاصم بن كليب عن أبيه عن أبي هريرة قال :سمعت أبا القاسم الصادق المصدوق يقول :يخرج الأعور الدجال ، مسيح الضلالة ، قبل المشرق في زمن اختلاف من الناس وفرقة، فيبلغ ما شاء الله أن يبلغ من الأرض في أربعين يوماً ، الله أعلم ما مقدار ها ؟ فيلقى المؤمنون شدة شديدة ثم ينزل عيسى بن مريم ﷺ من السماء فيقوم الناس فإذا رفع رأسه من ركعته قال :سمع الله لمن حمده قتل الله المسيح الدجال وظهر المؤمنون فأحلف أن رسول الله ﷺ أبا القاسم الصادق والمصدوق ﷺ قال :إنه لحق وإما أنه قريب فكل ما هو آت قريب "

نبی ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے اختلاف اور فرقہ کے وقت مشرق سے مسیح ضلالت، کانا دجال نکلے گا، چالیس دنوں میں وہ زمین پر وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں اللہ چاہے گا، اللہ ہی جانتا ہے اس کی مقدار کیا ہے؟ مؤمنوں کو بڑی مصیبت پہنچے گی، پھر عیسیٰ بن مریم ﷺ آسمان سے نازل ہوں گے، پس لوگ (نماز کے لئے) کھڑے ہوں گے، آپ جب رکعت سے سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ (کہنے کے بعد) قتل اللہ المسیح الدجال وظہر المؤمنون (بطورِ دعا) کہیں گے، اللہ نے اپنے بندے کی حمد سن لی، اللہ تعالیٰ مسیح دجال کو قتل کرے، اور مؤمنوں کو فتح نصیب ہو، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا کر کہا: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً وہ حق اور قریب ہے، پس ہر وہ چیز جو آنے والی ہے وہ قریب ہے۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار: ۴/۱۴۲، ۱۴۳ ح ۳۳۹۶، واللفظ لہ، صحیح ابن حبان: ۳/۶۷۷، باختلاف یسیر، وقال الہیثمی في مجمع الزوائد: ''رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح غیر علی ابن المنذر وھو ثقہ'')

(۱۲) رجل من بنی حنیفہ: یہ رجل نامعلوم ہے، اور اس کا شاگرد عمران بن ظبیان ضعیف ہے، لہٰذا اس کے متن کو یہاں درج کرنا میرے نزدیک مناسب نہیں ہے، یہ روایت مسند الحمیدی (نسخہ ظاہریہ: ح ۱۱۰۴) میں ہے۔ نیز دیکھئے مسند الحمیدی بتحقیقی ص ۷۴۶ (مخطوط) (جاری ہے)

ابوالعباس حافظ شیر محمد

علماءِ حق سے محبت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ ۙ وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ ؕ﴾

تم میں سے ایمان والوں اور علم والوں کے درجے، اللہ بلند فرمائے گا۔[المجادلۃ:۱۱]

معلوم ہوا کہ اہل ایمان علماء (علماءِ حق) کو عام مؤمنین ومسلمین پر برتری وفضیلت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ﴾

اللہ سے اس کے بندوں میں صرف علماء ہی (سب سے زیادہ) ڈرتے ہیں[فاطر:۲۸]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**إن الله يرفع بهذا الكتاب أقواماً ويضع به آخرين**'' اس کتاب (قرآن) کے (علم و عمل کے) ساتھ، اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو (فضیلت کے ساتھ) اٹھائے گا اور کچھ کو گرادے گا۔

(صحیح مسلم:۲۶۹/۸۱۷ وترقیم دارالسلام:۱۸۹۷)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''**فضل العالم على العابد كفضلي على أدناكم**''

جس طرح مجھے تم لوگوں پر فضیلت حاصل ہے، اسی طرح (ہر) عالم کو (ہر) عابد پر فضیلت حاصل ہے

(سنن الترمذی ح:۲۶۸۵ وقال: ''حسن غریب صحیح'' أضواء المصابیح:۲۱۳ وقال: اسنادہ حسن)

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: ''**ليس منا من لم يجل كبيرنا ويرحم صغيرنا ويعرف لعالمنا حقه**''

جو شخص ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے، چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے (اہل حق) عالم کا حق نہ پہچانے، وہ ہم میں (یعنی اہل حق میں) سے نہیں ہے۔ (مشکل الآثار للطحاوی:۱۳۳/۲ ح۱۸۰ وسندہ حسن)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''**البركة مع أكابركم**'' برکت تمہارے اکابر کے ساتھ ہے

(المستدرک للحاکم:۶۲/۱ ح۲۱۰ واتحاف المهرة:۶۰۱/۷ ح۸۵۶۳ وشعب الایمان:۱۱۰۰۵، وسندہ صحیح)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ اہل حق (اہل سنت: اہل حدیث) علماء کو عام مسلمانوں پر فضیلت حاصل ہے لہذا ان کا احترام کرنا ضروری ہے۔

طاوس تابعی فرماتے ہیں:

''من السنة أن يو قر أربعة :العالم وذو الشيبة والسلطان والوالد ، قال :ويقال :إن من الجفاء أن يدعو الرجل والده باسمه ''

سنت یہ ہے کہ چار آدمیوں کی عزت وحترام (خاص طور پر) کرنا چاہئے (۱) عالم (۲) عمر رسیدہ بزرگ (۳) حاکم (۴) اور والد، کہا جاتا ہے کہ: یہ ظلم (اور گناہ) میں سے ہے کہ بیٹا اپنے باپ کا نام لے کر پکارے۔

(مصنف عبدالرزاق ۱۱/۱۳۷ ح ۲۱۰۳۳ وسندہ صحیح)

صحابہ کرام نبی ﷺ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے، وہ آپ کے سامنے اس طرح بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ (سنن ابی داود: ۳۸۵۵، إسنادہ صحیح، وصححہ الترمذی: ۲۰۳۸ والحاکم: ۴/۳۹۹ ووافقہ الذھبی)

قاضی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' عالم عامل معلم يدعى كبيراً في ملكوت السموات ''

عالم باعمل، معلم آسمانوں کی مملکت میں بڑا سمجھا جاتا ہے۔ (الترمذی: ۲۶۸۵ وسندہ صحیح)

درج بالا و دیگر نصوص شرعیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے عوام کے لئے چند اہم باتیں پیش خدمت ہیں:

۱: ہر عامی لاعلم پر ضروری ہے کہ وہ صحیح العقیدہ علمائے حق میں سے، عالم باعمل کا انتخاب کر کے، اس کے پاس جائے اور مسئلہ پوچھے۔

۲: علمائے سوء سے بچنا واجب ہے کہ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

'' من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام '' جس نے کسی بدعتی کی تعظیم (وعزت) کی تو اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی (کتاب الشریعۃ للآجری ص ۹۶۲ ح ۲۰۴۰ سندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

'' إنكم في زمان :الصلوة فيه طويلة والخطبة فيه قصيرة وعلماء كثير و خطباء قليل ، وسيأتي عليك زمان :الصلوه فيه قصيرة والخطبة فيه طويلة ، خطباء ه كثير وعلماء قليل ''

تم ایسے زمانے میں ہو کہ (جمعہ کی) نماز لمبی اور خطبہ چھوٹا (مختصر) ہوتا ہے، علماء زیادہ ہیں اور (قصہ گو) خطیب حضرات کم ہیں، تجھ پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ (جمعہ کی) نماز مختصر اور خطبہ لمبا ہوگا، (قصہ گو) خطیب حضرات زیادہ ہوں گے اور (حقیقی) علماء کم ہوں گے۔۔الخ (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۹ ص ۱۱۳ ح ۸۵۶۷ وسندہ صحیح)

۳: عالم سے سوال انتہائی احترام اور ادب سے پوچھا جائے کہ: کتاب وسنت اور دلیل سے جواب دیں۔

۴: عالم کا نام لے کر پکارنے کی بجائے '' شیخ صاحب'' وغیرہ کے الفاظ ادب استعمال کئے جائیں۔ یحیی بن یعمر (تابعی) نے جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مسئلہ پوچھا تھا تو فرمایا:

''یا اباعبدالرحمٰن'' اے ابوعبدالرحمٰن (صحیح مسلم:۸/۹۳) یعنی آپ کا نام لینے سے اجتناب کیا۔

۵: عالم کے سامنے ہنسنے، آنکھ مارنے اور شور مچانے سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

عبدالرحمٰن بن مھدی کی مجلس میں ایک آدمی ہنس پڑا تو انہوں نے فرمایا: '' **لا حدثتکم شهراً** '' میں تمہیں ایک مہینہ حدیثیں نہیں سناؤں گا (الجامع لأخلاق الراوی وأدب السامع للخطیب ج۱ص۱۹۳ح۳۲۵ سندہ صحیح)

۶: علمائے حق رسول اللہ ﷺ کے صحیح وارث اور اولیاء اللہ ہیں امیر المؤمنین فی الحدیث، امام بخاری فرماتے ہیں:

'' **وأن العلماء هم ورثة الأنبياء ، ورثوا العلم** '' اور بے شک علماء: انبیاء کے وارث ہیں، انہوں نے علم کا ورثہ پایا ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب العلم باب ۱۰ قبل ح ۶۸)

علمائے حق سے دشمنی اور بغض نہیں کرنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' **إن الله قال :من عادى لي ولياً فقد آذنته بالحرب** ''

بے شک اللہ نے فرمایا: جس شخص نے میرے کسی ولی (دوست) سے دشمنی رکھی تو میں اس شخص کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری:۶۵۰۲)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: چار آدمیوں سے علم حاصل نہیں کرنا چاہئے

(۱) بے وقوف، جس کی بے وقوفی علانیہ ہو (۲) کذاب (۳) بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو (۴) نیک آدمی جسے حدیث کا کچھ بھی پتہ نہ ہو (کتاب الضعفاء للعقیلی: ۱/۱۳ وسندہ صحیح)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں علمائے حق کی محبت بھر دے، آمین

تنبیہ: ان مضامین میں احادیث کی تحقیق میرے استاد محترم شیخ ابوطاہر حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی ہوتی ہے۔